ہم تو محبت کرے گا

کرشن چندر

کرشن چندر

ہم تو محبّت کرے گا

لیجئے! قلم کے جادوگر کرشن چندر کی ہمارے پڑھنے والوں کے لئے خاص طور پر لکھی گئی کتاب - جسے آپ بھلا نہ پائیں گے -

ناشر

ایشیا بک سینٹر، ۴۹ زوآلوجیکل گارڈن کراچی ۳

فہرست

اخباری جیوتش	صفحہ ۴
ہمارا اسکول	صفحہ ۱۳
میرا دوست	صفحہ ۳۹
آل بھارت ہیرڈریس کانفرنس	صفحہ ۴۸
سیٹھ جی	صفحہ ۶۰
یوم آزادی	صفحہ ۶۸
صاحب	صفحہ ۸۰
مونگ کی دال	صفحہ ۸۷
ہندی کا نیا قاعدہ	صفحہ ۹۶
وزیروں کا کلب	صفحہ ۱۳۹
بچن سنگھ	صفحہ ۱۵۵
بلّی اور وزیر	صفحہ ۱۶۷
بیوی کی محبت	صفحہ ۱۸۲
ہم تو محبت کرے گا	صفحہ ۱۸۹

اَخبارِی جیوتش

جب سے ہندوستانی راجاؤں کو پنشن ملی۔ راج جیوتشوں اور ن والیوں کا بھاؤ مانند پڑ گیا ہے۔ اس سے پہلے ناچنے والیوں اور خاص کر را جیوتشوں کی ریاست میں بڑی پوچھ تھی۔ راجہ لوگ انہیں سر آنکھوں پر بٹھا تے اور ریشمی چلمن کی اوٹ سے مہارانیاں انہیں اپنا ہاتھ دکھاتی تھیں۔ و ونازک ہاتھ جن کی نازک انگلیوں پر نیلم، پکھراج، یاقوت اور لعل بدخشاں تھے۔ ایک بار بچپن میں میں نے بھی اپنا ہاتھ ایک راج جیوتش کو دکھایا تھا۔ جیوتش نے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا "یہ لڑکا بڑا ہوشیار، عقلمند ہوگا" ا نے راج جیوتش کی موٹی توند، اس کی ریشمی اچکن اور سونے کے بٹن دیکھ کر تھا کہ بڑا ہو کر اگر میں عقلمند ہوا تو اس راج جیوتش کی طرح علم حاصل کروں گا۔ جینے کا کچھ مزہ نہیں ـــــ

لیکن! اب میں ریلوے میں کلرک ہوں اور میری ساری عقل اس خرچ ہوتی ہے کہ کس طرح پرانی فائلوں کو چھ مہینوں تک دبائے رکھوں

ن کو کہہ دینے سے انکار کرتا جاؤں یہ بڑا مشکل کام ہے اور میں اسے کرتا ہی تھا

سال چونکہ مہنگائی نے بالکل کمر توڑ دی اس لئے مجھے ریلوے کی کلرکی چھوڑ

ش بھگت " اخبار میں اخباری جیوتش کے کالم پر نوکر ہونا پڑا۔ آجکل ہر بڑے

رنامہ میں ایک جیوتش ہوتا ہے۔ جو سنڈے کے سنڈے اخبار میں جیوتش سے

حساب لگا کر اپنے اخبار کے پڑھنے والوں کی قسمت کا حساب لگاتا ہے۔ اس سے

قبل کانگریس اور شوسلسٹ اخباروں میں جیوتش نہیں ہوا کرتے تھے۔ لیکن پندرہ اگست

کے بعد ان لوگوں کو بھی جیوتشیوں کی ضرورت پڑ گئی۔ جب میں نے " دلیش بھگت " اخبار

کا اشتہار دیکھا تو فوراً درخواست دیدی۔ جو منظور بھی ہو گئی۔ تین سو جیوتشیوں میں

سے میں ہی اول آیا۔ بدقسمتی سے مجھے اس تقرر پر خوش نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن

دعا کہ بڑے راج جیوتش نے کہا تھا کہ بیٹا بڑے ہونے پر بہت عقلمند بنو گے اس

لئے آج عقلمند بننے کا جو موقع ہاتھ آیا ہے اسے کیوں چھوڑیں۔ لگے ہاتھوں آ

م کو بھی کر دیکھیں اور پھر ریلوے کی کلرکی میں دن بھر کی گھس گھس کے بعد بمشکل

ام ستر اسی روپیہ ملتے ہیں۔ ان سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں ہر ماہ ساڑھے تین سو

رکام کچھ بھی نہیں۔ بس ہر ہفتہ سات دن کا زائچہ تیار کر کے اخبار میں دیدینا ہے۔

پڑھنے والے اسے دیکھکر آئندہ ہفتہ کے واسطے اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔ بس یوں

کہ مہینہ میں صرف چار زائچے اور ایک مہینے کے بعد پورے مہینہ کا ماہانہ زائچہ

طور پر ان لوگوں کے لئے جو اس مہینے میں پیدا ہوئے ہوں۔

میں نے اخبار کے چیف ایڈیٹر سے پوچھا " اس کے علاوہ کوئی اور بھی کام ہوگا "

ایڈیٹر بولے " پہلے ہم یہ دھندہ نہیں کرتے تھے صرف دلیش کے لئے لڑنے

والے رضاکاروں کی خبریں چھاپتے تھے۔ اب لڑنے والے ہی نہیں رہے تو ہم کیا کریں۔ اِدھر " دیش سیوک " اخبار نے ایک بھاری جیوتشی رکھا ہے جس سے اخبار کی بکری دس ہزار بڑھ گئی ہے۔ اب آپ کا کام دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارے اخبار کے گاہک بڑھاتا ہے۔ یا نہیں؟

میں نے کہا آپ فکر نہ کیجئے دوسرے ہفتہ میں ہی آپ کے اخبار کی بکری پچاس ہزار نہ بڑھ جائے تو میرا نام تھپکی رام نہیں کچھ اور رکھ دیجئے گا۔

چیف ایڈیٹر پنسل کے سرے پر لگا ہوا ربڑ چباتے ہوئے بولے " کیا آپ ریس کا جیوتش بھی جانتے ہیں " میں نے میز پر سے گیلا اسپنج اٹھا کر اسے کھاتے ہوئے کہا ہاں ہاں بدھاوا کے آنجہانی مہاراجہ کو میں ہی " ٹپ " نکال کر دیا کرتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ " ریس کورس " پر لوگوں کے علاوہ خود گھوڑے بھی مجھ سے پوچھنے لگے تھے کہ میں اس بار ریس جیتوں گا یا نہیں۔ اس کے علاوہ میں چاندی سونا۔ لوہا۔ تانبہ اور روئی کا جیوتشی بھی ہوں۔

چیف ایڈیٹر نے خوش ہو کر کہا " تب تو آپ ہمارے تجارتی صفحہ کیلئے بھی پیشینگوئی کر سکیں گے۔

آپ کی مہربانی ہے" میں نے خوش ہو کر سیاہی گلے میں انڈیل لی اور ہونٹوں کو بلاٹنگ پیپر سے صاف کرتے ہوئے کہا " سنیچر کا دن سر پر آگیا پر میں نے ابھی اپنی رپورٹ تیار کر کے پریس میں نہیں دی تھی۔ چیف ایڈیٹر نے دو تین بار یاد دلایا۔ میں نے کہا آپ اخبار روک کر رکھئے۔ میں سخت محنت کر رہا ہوں۔ پورا " میٹر " تیار ہونے میں تھوڑی سی دیر ہے۔ ابھی سب کچھ ہوا جاتا ہے۔ آپ دیکھئے

ایسی عمدہ رپورٹ بناؤں گا کہ بڑے بڑے راج جیوتش منہ دیکھتے رہ جائیں گے اسی درمیان ادھر ادھر بہت گھوما۔ جیوتش پر دو ایک کتابیں بھی پڑھیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر جیسا کچھ بن سکا میں نے "میٹر" لکھ کر بھیجدیا اور سائڈ پر نوٹ لکھا۔ پریس کے لئے بھی ٹپ نکال کر بھیجدی آپ بھی دیکھیے۔

تجارتی پیشگوئیاں

اس ہفتہ بازار مندہ رہے گا۔ تھوڑی سی مہنگائی ہوگی۔ لیکن جلد ہی بھاؤ گر جائے گا۔ لوہا تانبے سے ٹکرائے گا۔ لیکن پھر الگ ہو جائے گا۔ مونگ کی دال، آلو کی بھاجی اور پاپڑ کا بھاؤ تیز ہوگا۔ لیکن پٹرول کا گیلن آدھا ہو جائے گا اور پھر ایک دم پھٹ جائے گا۔ جس سے بازار میں آگ لگنے کی توقع امید ہے۔ بیوپاریوں کو چاہئے کہ اس وقت کے واسطے فائر انجن بلوا کر رکھیں ٹاٹا ولفیر، ڈالمیا بسکٹ، برلا ہندوستان نمبر دس اور بھائی بربلا دسنگھ کے اچار شلغم کے شیئرز اونچے ہوں گے۔ چاندی سونے کے بھاؤ پر ملیگی اور سونا گیہوں کے بھاؤ پر۔ گیہوں کسی بھاؤ بھی نہیں مل سکے گا۔ یہ سارا ہفتہ اسی طرح گذرے گا۔ اور پورا سال اسی طرح گذرنے کی امید ہے۔ لیکن فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ سرکار اپنی ہے۔ اور بھارت کی قسمت اس وقت "شکر" کے گھر میں ہے جس کا اختری فیض آبادی سے کوئی تعلق نہیں روئی کا بھاؤ گر جائے گا۔ کپڑا مہنگا ہو جائے گا۔ گنے کا بھاؤ سستا ہو جائے گا

لیکن شکر مہنگی ہو جائے گی۔ اس لئے جو بیوپاری سفید چیز کا بیوپار کرے گا اسے بڑا فائدہ ہوگا۔ چاہے وہ سفید لٹھا بلیک مارکیٹ میں بیچے یا برما کا سفید ہاتھی پالے ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس ہفتہ کے چھ دنوں میں کارخانوں میں ہڑتال رہے گی۔ ساتواں دن اتوار کا ہوگا۔ جس دن چھٹی رہتی ہے۔ لیکن اس میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اسٹاک اکسچینج کے باہر گھومنے والے سانڈوں کی پوجا کرنے سے اور ان کے منہ میں تمباکو والا پان ڈالنے سے یہ آفت جاتی رہے گی۔

ریس کے ٹپ (مصنف ریس کا رسیا)

اس ہفتہ کا لکی دن پانچواں ہے۔ اس لئے آنکھیں بند کر کے پانچویں ریس کھیلئے پانچویں نمبر کے گھوڑے پر اپنی ساری جائیداد لگا دیجئے۔

تیسری اور آٹھویں ریس بالکل نہ کھیلئے سب گھوڑے اور سب جوکی نکمے ہیں اور گھوڑوں کے مالک ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ پبلک کو الو بنائیں گے اور لاکھوں روپئے لوٹ لیں گے۔

چوتھی ریس میں گوا لیار اور کشمیر دوڑ رہے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہو سکتے جیت سیٹھ بھونڈو لال کے گھوڑے "ٹامی" کی ہوگی۔ اور اگر ٹامی نہ جیتا تو "حرامی" ضرور جیتے گا۔ دونوں کھیلئے "ون اور پلیس"

پہلی اور دوسری ریس کے سب گھوڑے اچھے ہیں کوئی ایک دوسرے

ہرا نہیں سکتا۔ آپ جو گھوڑا کھیلیں گے وہی جیتے گا۔ اور اگر نہ جیتے تو ایک ریوالور اپنے پاس رکھئے۔ اور پہلا موقعہ ملتے ہی خودکشی کر لیجئے۔

چھٹی ریس میں ھندوستان اور پاکستان بہت اچھے گھوڑے ہیں بہتر یہ ہوگا ہندو "ھندوستان" اور مسلمان "پاکستان" کھیلیں۔ لیکن یہ دونوں گھوڑے آنے والے نہیں۔ اس ریس میں ساتویں نمبر جو گھوڑا دوڑ رہا ہے اس کا نام ہے "ماؤنٹ بیٹن" بس یہی گھوڑا آخر میں جیتے گا۔ اس جیت سے پہلے ریس کورس میں ھندو مسلم فساد بھی ہو سکتا ہے۔

ساتویں ریس میں نویں نمبر یہ گھوڑا سب سے اچھا ہے۔ لیکن تین نمبر بھی برا نہیں آخری فرلانگ تک دونوں گھوڑے برابر چلے جائیں گے لیکن آخر میں وہی گھوڑا جیتے گا جس کے مالک نے اسے زیادہ شراب پلائی ہوگی۔ کس گھوڑے نے زیادہ شراب پی ہے اس کا اندازہ اسطبل کے لوگوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ جیوتش آپ کو اس سے زیادہ کیا بتا سکتا ہے۔

نویں ریس میں سب گھوڑیاں دوڑیں گی ان کے نام فلم سٹاروں کے سے ہیں۔ نرگس، ثریا، نورجہاں، حفیظ بیگم، حسن بانو، اور بدھوا ڈوانی حالانکہ آخری نام ایک ایکٹر کا ہے۔ لیکن گھوڑے کے مالک نے اسے بھی شاید فلمی ہیروئن کا نام سمجھ کر اپنی گھوڑی کا نام رکھ دیا ہے۔ خیر! اس سے ہمارے جیوتش میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ریس میں حیدر ریکھا گھوڑی جیتے گی۔ کیونکہ یہ ابھی ابھی سرکس سے آئی ہے۔

اس ہفتہ آپ کی کنڈلی کیا کہتی ہے

سوموار۔

آپ دیر میں بستر سے اٹھیں گے۔ سر میں ہلکا ہلکا سا درد بھی محسوس ہوگا جو اسپرو کھانے سے جاتا رہے گا۔ دن اچھا خوش گوار ہوگا دفتر میں ہیڈ کلرک سے لڑائی ہو گی۔ لیکن فرم کا مالک آپ کی ہمراہ لیگا۔ شام کے چھ بجے آپ خوش خبری سنیں گے۔

منگل

کوئی پوشیدہ خزانہ ملے گا۔۔۔ بیوی سے لڑائی ہو گی۔ میٹنی شو میں آپ کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھیں گے۔ جس کے ساتھ اس کا خاوند بھی ہوگا آپ اس سے کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور کلیجہ پکڑ کر رہ جائیں گے۔ رات کو گھر لوٹتے وقت ٹرام کا کنڈیکٹر آپ کی بے عزتی کرے گا۔ صبح چائے کے ساتھ آلو کی بھاجی ملے گی۔ رات کو فاقہ ہوگا۔ مگر درمیانہ وقفہ آرام سے گزرے گا۔

بدھ

آپ کا چیک بینک سے واپس ہوگا۔ پولس حراست میں رکھے گی شام کو آپ کو بیوی کا بھائی یعنی سالا ضمانت دے کر چھڑا کر لائے گا۔ یہ بہت برا دن ہے آپ کے لئے۔ لیکن رات بہت اچھی گذرے گی۔ گھر میں کھانا اچھا ملے گا۔ سر میں تیل کی مالش بھی ہو گی۔ اس دن آپ گھر سے

باہر نہ نکلیں تو اچھا ہے۔ ورنہ آپ کی مرضی۔

جمعرات

راج دربار میں بلایا جائے گا۔ یاد رہے پولس تھانہ بھی راج دربار ہوتا ہے۔ کوئی نئی محبت کرنے والی ملے گی۔ دوپہر کے وقت آپ بازار میں ماش لینے کو جائیں گے۔ اور پھر کسی موٹر کے نیچے آکر مر جائیں گے (بازار جانے سے پہلے بیمہ کروالیں۔

جمعہ

جمعرات کو آپ اگر نہیں مرے تو آج کے دن صبح ناشتے میں تیتر کھائیں گے۔ اور اگر آپ گوشت نہیں کھاتے تو مونگ کی دال کے کوفتے ملیں گے۔ اخبار میں آپ ضرور کوئی بری خبر پڑھیں گے جسے پڑھکر آپ کو بڑا صدمہ ہوگا جو صرف ایک برانڈی کے "پیگ" سے دور ہوگا۔ اس دن آپ کے چھوٹے بچے کی ٹانگ ٹوٹ جائے گی۔ آپ کی بیوی ایک نئی ساڑھی کا تقاضا کرے گی۔

سنیچر

آپ سویرے راشن لینے جائیں گے لیکن دوکان بند ملے گی۔ کپڑے کے کوپن لینے جائیں گے لیکن دفتر بند ہوگا۔ ریس کھیلنے جائیں گے اور بہت روپیہ ہار کر یا جیت کر آئیں گے۔ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خرید کر سیکنڈ کلاس میں سفر کریں گے اور ٹکٹ چیکر آکر چالان کردے گا۔ لیکن آپ پیسے ادا کر کے چھوٹ جائیں گے اس دن پڑوسیوں سے لڑائی کا خطرہ ہے۔ لیکن ہاتھ جوڑنے سے یہ خطرہ جاتا رہے گا۔ بزنس میں فائدہ ہوگا۔ دل کھول کر "سٹہ" کھیلئے اور بلیک

مارکیٹ کیجئے۔ یہ دن بلیک مارکیٹ کے لئے بہت اچھا ہے۔

اتوار

آپ کو اچانک دفتر میں بلالیا جائے گا۔ اور آپ کی چھٹی کے سارے پروگرام ختم ہوجائیں گے۔ آپ دفتر میں سڑیں گے اور گھر پر بیوی بچے آپ کو گالیاں دے رہے ہونگے۔ شام کو گھر جاتے ہوئے آپ بچوں کے لئے دو کیلے، دو سنترے دو امرود خریدیں گے اور کوئی منچلا آپ کی جیب کاٹ لے گا۔ لیکن جو لوگ اتوار کو پیدا ہوئے ہوں ان کے لئے یہ دن بہت اچھا ہے۔ وہ سو سال تک جئیں گے اس سے پہلے پچاس برس گھر میں اور دفتر میں اور اگلے پچاس برس پاگل خانہ میں۔

"دیش بھگت" اخبار جب اتوار کو شائع ہو کر بازار میں آیا تو دس منٹ میں سب اخبار بک گیا۔ ایک کاپی بھی باقی نہیں رہی۔ دوسرے دن اخبار کے دفتر کے باہر اخبار پڑھنے والوں کی بھیڑ جمع تھی۔ وہ لوگ دفتر کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن پولس کی مداخلت سے مجمع پر قابو پالیا گیا۔ چیف ایڈیٹر اور دوسرے کارکنوں نے مل کر میری ٹھکائی کی اس لئے یہ سب میں اسپتال میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ میرا جیوتش غلط نکلا۔ میرا جوتش سو فیصدی سچ نکلا۔ اتنا سچ ہے کہ لوگ اسے برداشت نہ کر سکے۔ لوگ اخباری جیوتش کے پاس سچائی ڈھونڈنے نہیں جاتے ہیں۔ جھوٹے سپنے دیکھتے ہیں۔ یہی میں نے غلطی کی تھی۔

ہمارا اسکول

(یہی اسکول جس میں میں اور آپ پڑھتے رہے ہیں۔ وہی جانے پہچانے ماسٹر جی ہیں جن کے طمانچے اور چھڑیاں ہم لوگ کھاتے رہے ہیں۔ وہی اپنے بچپن کے پیارے کھلنڈر لڑکے ہیں جن کے شریر دل ہمیشہ اسکول کی چہار دیواری کے باہر بھاگے رہتے ہیں۔ وہی پرانے کمرے ہیں جن کی دیواروں پر کسی نے سفیدی نہیں کروائی۔ دیواروں پر بادشاہ جارج پنجم، مہارانی میری اور وکٹوریہ مہارانی کی تصویریں ہیں۔ ہر چیز ٹھیک اسی جگہ نظر آتی ہے جس طرح آج سے تیس سال پہلے تھی۔ صرف کتابیں بدل گئی ہیں کیونکہ ملک آزاد ہو گیا ہے۔ پڑھنے اور پڑھانے والے اور ان کے اسکول کا اصول وہی ہے۔ لیکن کتابیں بدل گئی ہیں آئیے ہم بھی نیا کورس پڑھیں۔ یہ پہلی کلاس کا کمرہ ہے)

ماسٹر۔ بچو! یہ ہندی کی پہلی کتاب ہے۔ اس کے پہلے صفحہ پر ماں

بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے ۔ پڑھو! ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔

بچے۔ (دہراتے ہوئے) ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔

ماسٹر۔ بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے۔

بچے ۔ بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے۔

ایک بچہ ۔ ماسٹر جی بچہ انگوٹھا کیوں چوس رہا ہے؟ دودھ کیوں نہیں پیتا؟

دوسرا بچہ ۔ ارے دودھ کہاں سے پئے گا؟ دودھ آجکل روپیے کا سیر ملتا ہے وہ بھی آدھا پانی اور آدھا دودھ ۔ اب اگر بچہ روپیہ کا سیر دودھ پئے تو بچے کے ماں باپ کیا کھائیں گے -- تیرا سر؟

تیسرا بچہ ۔ ہاں ٹھیک ہے آجکل کے بچے دودھ نہیں پی سکتے ۔ صرف انگوٹھا چوس سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا ماسٹر جی۔

دوسرا بچہ ۔ ٹھیک ہے ماسٹر جی ـــــ پڑھائیے ۔ ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔

چوتھا بچہ ۔ ماں بچے کو گود میں لئے کہاں بیٹھی رہتی ہے ۔ بچہ تو کھٹیا پر پڑا رہتا ہے ماسٹر جی کبھی ہمیں سنبھالنا پڑتا ہے اور کبھی ہمارے بھائی کو ۔ کبھی منجھلی بہن کو مگر وہ بھی کام کرتی ہے؟

ماسٹر ۔ کیا کام کرتی ہے؟

چوتھا بچہ ۔ میری ماں اور بہن دونوں مل میں کام کرنے جاتی ہیں ۔ ننھا بچہ گھر پر رہتا ہے ۔ ماں صبح کھانا پکاتی ہے دن بھر مل میں مزدوری کرتی ہے ۔ بچے کو گود میں نہیں لیتی ۔ (چلّا کر) ماسٹر جی اس کتاب میں جھوٹ لکھا ہے ۔ ماں

بچے کو گود میں نہیں لیتی۔ ماسٹر جی (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میری ماں
چھوٹے بھائی کو گود میں نہیں لیتی۔

ماسٹر۔ چپ رہو۔

پانچواں بچہ۔ (نہایت صاف ستھرا) یہ جھوٹ بولتا ہے ماسٹر جی۔ ماں بچے کو
گود میں لیتی ہے۔ جب ہم گھر پر جاتے ہیں تو ماں ہمیں گود میں اٹھا لیتی ہے
جب ہم گھر جاتے ہیں تو ہماری ماں ہمیں بہت پیار کرتی ہے۔

چوتھا بچہ۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔

پانچواں بچہ۔ ملابار ہل پر (ایک قہقہہ لگتا ہے اور سبھی بچے ہنستے ہیں)

ماسٹر۔ چپ خاموش۔ آگے پڑھو۔ (جلدی جلدی پڑھاتا ہے) ماں
بچے کو گود میں لے بیٹھی ہے۔ بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے۔ باپ بھنگ گھوٹ
رہا ہے۔

سلیم۔ (کھڑا ہو کر) ماسٹر جی ایک سوال ہے۔

ماسٹر۔ سلیم تم اپنے بیہودہ سوالوں کی وجہ سے پچھلے سال فیل ہو چکے ہو بیٹھ جاؤ۔
آگے پڑھو۔

سلیم۔ ماسٹر جی ایک سوال ہے۔ پچھلے سال میں نے پڑھا تھا کہ باپ حقہ
پی رہا ہے۔ اس سال وہ بھنگ گھوٹ رہا ہے۔ ایسا کیوں؟

تیسرا بچہ۔ ارے بدھو کتاب بدل گئی ہے نا۔ آزادی سے پہلے وہ حقہ پیتا
تھا اب وہ بھنگ گھوٹتا ہے۔

چوتھا بچہ۔ اگلے سال چرس پئے گا۔

ماسٹر۔ نہیں بچو۔ یہ اس لئے بدل گیا ہے کہ مسلمان حقہ پیتے ہیں اُتھنڈر بھنگ گھوٹتے ہیں۔

تیسرا بچہ۔ میرا باپ تو مسلمان نہیں ہے پھر وہ کیوں حقہ پیتا ہے؟

چوتھا بچہ۔ اور میرا باپ چارمینار کے سگریٹ پیتا ہے وہ بھی تو سمبا کو ہے۔ ماسٹر جی اس میں ہونا چاہئے کہ باپ چارمینار کے سگریٹ پی رہا ہے۔

دوسرا بچہ۔ نہیں! میرا باپ بیڑی پیتا ہے۔ اس میں ہونا چاہئے باپ بیڑی پی رہا ہے۔

پہلا بچہ۔ میرا باپ تو گانجہ پیتا ہے۔

سلیم۔ میرا باپ تو انیون کھاتا ہے۔

چوتھا بچہ۔ (پانچویں سے) کیوں جی تمہارا باپ کیا پیتا ہے؟

پانچواں بچہ۔ (بڑے بھولے پن سے) ہمارا ڈیڈی ہماری ممی کے ساتھ بیٹھکر ولائتی شراب پیتا ہے۔ (قہقہہ ساتھی بچے ہنستے ہیں)

ماسٹر۔ (بچوں سے) پڑھو! ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے۔ کپڑے الماری پر ٹنگے ہیں۔ ماں بچے کو نئی قمیض پہنا رہی ہے۔

سلیم۔ کہاں پہناتی ہے؟ ہماری تو ایک سال سے یہی قمیض ہے۔

ماسٹر۔ چپ رہو۔

سلیم۔ ہم تو ایک سال سے یہی پھٹی ہوئی قمیض پہن رہے ہیں۔ آبا سے کہتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ نئی قمیض نہیں مل سکتی۔ بازار میں

آزادی کے بعد کپڑا بہت مہنگا ہو گیا ہے۔

ماسٹر: (سلیم کو طمانچے مارتے ہوئے) چپ رہو گے یا نہیں؟

سلیم۔ (رو کر) یہاں ایک پھٹی پرانی قمیض ہے۔ گھر میں ابا سے کہتے ہیں تو وہ مارتے ہیں یہاں کہتے ہیں تو ماسٹر جی مارتے ہیں۔ ہم کہاں جائیں؟ تو لو ہم کہاں جائیں؟ کس سے فریاد کریں؟ کتابیں نئی ہیں لیکن سبق پرانا ہے۔ جاڑے وہی ہیں۔ قمیض وہی ہے (غصہ میں پھٹی قمیض اور پھاڑ دیتا ہے۔ اور مٹھی بھینچ کر کہتا ہے) مجھے یہ ماحول نہیں چاہیے (چلاتا ہے کمرے میں سناٹا ہے)

ماسٹر: لڑکا کبھی پاس نہیں ہو سکتا۔ آگے پڑھو۔ ماں بچے کو نئی قمیض پہنا رہی ہے۔
(کمرے میں سناٹا ہے کوئی نہیں بولتا)

ماسٹر: (غصہ میں میز پر ہاتھ مار کر) پڑھو پڑھتے کیوں نہیں؟ ماں بچے کو نئی قمیض پہنا رہی ہے اور گیت گا رہی ہے۔

ایک لڑکا: (گاتا ہے) پل کے بچھڑ گئی انکھیاں ہائے راما مل کے بچھڑ گئی انکھیاں۔

سب بچے: ہائے راما مل کے بچھڑ گئی انکھیاں۔
(گھنٹی بجتی ہے پردہ گرتا ہے)

دوسری کلاس کا کمرہ

(بچے بیٹھے شور مچا رہے ہیں۔ کھادی کی ٹوپی پہنے ایک ماسٹر اندر داخل ہوتا ہے بچے کھڑے ہو جاتے ہیں)

ماسٹر- بچو آج سے ہم آزاد ہیں - آج سے ہم زندگی کی نئی پوشاک پہن رہے ہیں -

ایک لڑکا - تبھی آپ نے آج ہیٹ اتار کر گاندھی ٹوپی پہن لی ہے -

ماسٹر- گستاخ! کمرے سے باہر چلے جاؤ - (خاموشی) بچو! آج سے ہندوستان آزاد ہے - آج ہم اپنا قومی ترانہ گائیں گے -

دوسرا لڑکا - "گاڈ سیو دی کنگ" "GOD SAVE THE KING" جو آپ کہلواتے ہیں -

ماسٹر - یہ کون بولا - موہن ؟

موہن - جی آپ ہی تو یہ گیت ہم سے گواتے تھے اور ہم نہیں گاتے تھے تو آپ ہمیں مارتے تھے - یہ دیکھئے مار کے نشان -

ماسٹر - آگے آؤ (اسے تھپڑ مارتے ہیں) نکل جاؤ کمرے سے

ایک خوشامدی لڑکا - ماسٹر جی کون سا گیت گائیں

ماسٹر - "گاؤ! سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" (لڑکے گاتے ہیں)

تیسرا لڑکا - ٹھہرو!

ماسٹر - تم بیچ میں کیوں بول پڑے -

تیسرا لڑکا - ماسٹر جی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہمارا دیش ہندوستان ساری دنیا سے اچھا ہے -

ماسٹر - ہاں -

تیسرا لڑکا - چین سے بھی - ماسٹر - ہاں -

تیسرا لڑکا - جاپان سے بھی - ماسٹر - ہاں -

تیسرا لڑکا- انگلینڈ سے بھی۔ ماسٹر- ہاں۔

تیسرا لڑکا- امریکہ سے بھی۔ ماسٹر- ہاں۔

تیسرا لڑکا- روس سے بھی۔ ماسٹر- ہاں۔

تیسرا لڑکا- پاکستان سے بھی۔ ماسٹر- شرمندگی اور گھبراہٹ سے ہاں۔ہاں۔

تیسرا لڑکا- ماسٹر جی یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ برے ہوں اور ہم ہی سب سے اچھے ہوں۔ ماسٹر جی آپ خود ہی سوچئے نا۔

ماسٹر- (تھوڑی دیر کے بعد) اچھا ٹیگور کا "جن گن من" شروع کرو۔

پہلا لڑکا- مگر ماسٹر جی وہ گیت تو بنگالی میں ہے۔ اور یہاں کمل چیٹرجی اور سریش بھٹہ چرجی کے علاوہ کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اور جب کوئی قومی گیت سمجھے گا ہی نہیں تو گائے گا کیا؟ کیوں سریش چیٹرجی۔

سریش (بنگالی میں) شو یا شو یعنی ہمارا ٹیگور ہماری بنگالی بھاشا اور بنگال دنیا میں سب سے اونچا ہے۔

ماسٹر- اچھا تو "بندے ماترم گاؤ"

دوسرا لڑکا- مگر اس کے گانے سے تو ایک دکھی کا دل دکھتا ہے اور ہندوستان میں تو سبھی دکھی دل کے لوگ ہیں۔

ماسٹر- اچھا تو مہا گجرات گایا جائے گا

باؤکر- مہا گجرات کیوں ماسٹر جی؟ ہمارا "مہاراشٹر" کیوں نہیں؟

شمشیر سنگھ- مہا پنجاب کیوں نہیں؟

نیام پلی- مہا مدراس کیوں نہیں؟

گووند جی۔ مہا یدھ۔ پی کیوں نہیں؟

ماسٹر۔ (ڈانٹ کر) تو کچھ مت گاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔

(لڑکے بیٹھ جاتے ہیں سوائے ایک کے۔ سناٹا چھا جاتا ہے ماسٹر کتاب کھولتا ہے اور غور سے طالب علموں کی طرف دیکھتا ہے تو ایک لڑکے کو کھڑا پاتا ہے۔)

ماسٹر۔ تم کیوں نہیں بیٹھے؟ سنا نہیں؟ بیٹھ جاؤ۔

چوتھا لڑکا۔ ماسٹر جی میں پوچھتا ہوں ہم آزاد ہو گئے ہیں نا؟

ماسٹر۔ ہاں بیٹا!

چوتھا لڑکا۔ آزاد ہو گئے ہیں نا؟ تو ہم اپنے لئے ایک چھوٹا سا قومی گیت نہیں بنا سکتے ماسٹر جی یہ کیسی آزادی ہے؟

ماسٹر۔ کمرے سے باہر چلے جاؤ

چوتھا لڑکا۔ کیوں؟

ماسٹر۔ میں آزادی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔ چلے جاؤ۔

(لڑکا چلا جاتا ہے خاموشی ہو جاتی ہے)

ماسٹر۔ کتابیں کھولو۔ (سب لڑکے کتابیں کھولتے ہیں۔ لیکن شمشیر سنگھ کے پاس کوئی کتاب نہیں۔ وہ اپنے ساتھی کی کتاب پر سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسرا لڑکا دیکھنے نہیں دیتا۔ شور ہوتا ہے۔ ماسٹر کی نگاہ پڑتی ہے)

ماسٹر۔ کیوں شور مچا رہے ہو؟

موہن۔ ماسٹر جی یہ میری کتاب سے دیکھنا چاہتا ہے۔

ماسٹر۔ کیوں بے تیری کتاب کہاں گئی؟

شمشیر سنگھ۔ میرے پاس کتاب نہیں ہے؟

ماسٹر۔ کیوں نہیں ہے؟

شمشیر سنگھ۔ خاموش ہے۔

ماسٹر۔ میں پوچھتا ہوں تمہارے پاس کتاب کیوں نہیں ہے؟

شمشیر سنگھ۔ میں شرنارتھی ہوں (مہاجر ہوں)

ماسٹر۔ پریشان کر دیا۔ ان شرنارتھیوں نے۔ ان کے پاس پڑھنے کو کتابیں نہیں ہیں۔ پہننے کے لئے کپڑا نہیں۔ کھانے کے لئے اناج نہیں۔ رہنے کے لئے گھر نہیں۔ سب کچھ ہم سے مانگتے ہیں بھک منگے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ سرکار انہیں جیل میں بند کیوں نہیں کرتی۔

شمشیر سنگھ۔ میرے پاس کتابیں تھیں، کپڑے بھی تھے، روٹی بھی تھی، گھر بھی تھا، پھر آزادی آئی اور میرے پاس کچھ نہ رہا۔

ماسٹر۔ تو واپس چلے جاؤ۔

شمشیر سنگھ۔ کہاں چلا جاؤں ماسٹر جی۔ پہلے انہوں نے میرے باپ کو مارا پھر ماں کو مارا پھر وہ مجھے مارنے لگے کہ سعید روتا ہوا میرے گلے سے لگ گیا۔

ماسٹر۔ سعید کون ہے

شمشیر سنگھ۔ سعید ایک مسلمان لڑکا ہے۔ وہ میرا دوست ہے ہم کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے۔ جب سعید کے والد مجھے مارنے لگے تو سعید روتا ہوا میرے گلے سے لگ گیا۔ بولا۔ اسے نہ مارو۔ یہ میرا

دوست ہے۔ میرا بھائی ہے۔ اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور وہ لوگ ہمارے گھر کا سامان لے گئے۔ میں نے اپنی ساری کتابیں سعید کو دیدیں۔ وہ لیتا نہیں تھا۔ میں نے کہا تم رکھو جب میں واپس آؤنگا تو لے لونگا۔ بڑی بڑی تصویروں والی کتابیں تھیں۔ بڑے اچھے اچھے کھلونے تھے۔ ایک ننھی سی موٹر تھی جو چابی سے چلتی تھی۔ ایک ہوائی جہاز تھا۔ ایک لکڑی کا گھوڑا تھا لوہے کی پیاری سی ریل گاڑی تھی۔ پریوں کی کہانیوں کی کتابیں تھیں جو رات کے وقت ماں مجھے سنا کر سلایا کرتی تھی۔ اب میری ماں میرے پاس نہیں ہے میرا باپ بھی نہیں ہے اور اس دیش میں آزادی آگئی ہے۔

ماسٹر۔ تو تم اپنے دیش واپس چلے جاؤ۔

شمشیر سنگھ۔ اب میرا کون سا دیش ہے ماسٹر جی۔ مجھے بتلا دو۔ کوئی مجھے بتا دے کہ میرا کون سا دیش ہے۔ پہلے میرا ایک دیش تھا۔ اسے لوگ پنجاب کہتے تھے۔ سعید، میں اور میرے ماں باپ اور گرو یاری، شمشیر سنگھ اور غلام احمد سبھی لوگ پنجابی کہلاتے تھے۔ پھر آزادی آگئی۔ اور ہمارے دیش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ میں جہاں کا تھا وہاں کا نہیں رہا۔ میں کس دیش کا رہنے والا ہوں ماسٹر جی؟

ماسٹر۔ (چپ ہیں)

شمشیر سنگھ۔ بتلائیے ماسٹر جی میں کس گھر کا رہنے والا ہوں؟ میرے ماں باپ کون ہیں؟ مجھے تعلیم کون دے گا۔ کون میرے ماتھے پر پیار سے ہاتھ رکھے گا رات کو جب میں اکیلا سڑک کے کنارے زمین پر سونے لگتا ہوں مجھے کیوں

اپنے ماں باپ یاد آتے ہیں۔ اپنی ماں کی میٹھی میٹھی لوریاں کیوں سنائی
دیتی ہیں؟ ماں! ہائے میری میّا (سسکیاں لیتا ہے)

ماسٹر۔ یہ سب، ہم کچھ نہیں جانتے۔ اگر تمہیں پڑھنا ہے تو اپنی کتابیں ساتھ لاؤ
ورنہ اس اسکول سے باہر نکل جاؤ۔

(شمشیر سنگھ چاروں طرف سہما سا دیکھتا ہے۔ لڑکے سر جھکائے بیٹھے ہیں
پھر وہ دھیمے دھیمے سسکیاں لیتا ہوا کمرے سے باہر نکل جاتا ہے)

ماسٹر۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

لڑکا۔ میں وہاں پڑھوں گا جہاں شمشیر سنگھ پڑھے گا۔ یہ اسکول اب ہمارے لئے
نہیں ہے۔

(شمشیر سنگھ اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں۔ پھر دھیرے دھیرے
دوسرے لڑکے اٹھنے لگتے ہیں۔ اور کلاس خالی ہو جاتی ہے۔ صرف ایک لڑکا
رہ جاتا ہے)

ماسٹر۔ جانے دو سب کو جانے دو۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟

لڑکا۔ رمنک لال سمنک لال باراسجائی۔

ماسٹر۔ بہت اچھے لڑکے ہو واقعی۔ ہم تمہارے والد کو خط لکھیں گے۔ کیا کرتے ہیں وہ؟

لڑکا۔ جی وہ سرکار کے منسٹر ہیں۔

(گھنٹی بجتی ہے پردہ گرتا ہے)

تیسری کلاس کا کمرہ

استاد - بچو! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ آج ہم تمہیں شہری زندگی کا پہلا اصول پڑھائیں گے۔ یہ سبق اس لئے اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اب تم غلام نہیں رہے۔ بلکہ آزاد دیش کے باسی ہو۔ تمہاری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں

پہلا لڑکا - ذمہ داری کسے کہتے ہیں ؟

استاد - جیسے ماں باپ اپنے بچے کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں کہ وہ ان کی ہر طرح دیکھ بھال کریں۔ انہیں پڑھائیں، لکھائیں۔ اسی طرح ہر شہری کا اپنے شہر کو صاف رکھنا فرض ہوتا ہے۔

پہلا لڑکا - سمجھ میں نہیں آیا۔

استاد - میں سمجھاتا ہوں۔ ایک مثال دیتا ہوں تمہارا گھر جس گلی میں ہے اس گلی کی صفائی میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ تمہارے گھر کی گلی بہت صاف ستھری ہونا چاہیئے۔

پہلا لڑکا - ہمارا گھر گلی میں نہیں ہے۔

استاد - تو پھر کہاں ہیں ؟

پہلا لڑکا - ہمارا گھر تو چال میں ہے۔ تبیس نمبر کی چال ہیں۔ جو سکریال کی بغل میں ہے

استاد - تو تم اس چال کو صاف ستھرا رکھنے میں مدد کرو۔

دوسرا لڑکا - کیسے رکھیں ؟ وہاں سب کے پاس ایک ایک کمرہ ہے۔ اسی میں کھانا، اسی میں سونا، اسی میں رہنا، اسی میں بیمار پڑنا، اسی میں اسکول کا کام کرنا، اسی میں رشتہ داروں کا آنا جانا۔ بس ایک ہی کمرہ تو ہے ہمارے پاس۔ اور کمرہ میں دس بارہ آدمی رہتے ہیں۔ ہماری چال کی پانچ منزلیں ہیں۔ پانچ منزل میں دو سو

کمرے ہیں۔ مگر پائخانے صرف تین ہیں اور ایک نل۔ بولو ماسٹر جی! چال کیسے
صاف رکھیں؟ پینے کو تو پانی ملتا نہیں ہے صفائی کے لئے کہاں سے لائیں؟

استاد۔ یہ میں نہیں جانتا جس طرح بھی ہو چال کو صاف رکھنا تمہارا فرض ہے۔
خیر! ایک تم چال میں رہتے ہو۔ سبھی لڑکے تو چال میں نہیں رہتے۔

دوسرا لڑکا۔ جی ہاں! جی ہاں! میں چال میں نہیں رہتا۔

استاد۔ شاباش! تم کہاں رہتے ہو؟

دوسرا لڑکا۔ جی! میں ریفیوجی کیمپ میں رہتا ہوں۔

استاد۔ شاباش! اب تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے کیمپ کو صاف رکھنے میں
مدد کرو۔ وہاں کسی طرح کا کوڑا کرکٹ یا گندگی نہ ہونے دو۔

دوسرا لڑکا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ماسٹر جی؟ جہاں ہمارا کیمپ ہے اس کے
پاس میونسپلٹی کے بھنگی شہر کا سارا کوڑا کرکٹ آکر پھینک دیتے ہیں۔ وہ بدبو
آتی ہے کیا بتاؤں۔

استاد۔ مگر تم اپنے کیمپ کے چہار دیواری کے اندر تو صفائی رکھ سکتے ہو اس
کے کمرے میں۔

دوسرا لڑکا۔ وہاں کمرے نہیں ہیں۔

استاد۔ اس میں پائخانہ ہیں؟

دوسرا لڑکا۔ اس میں پائخانہ نہیں ہیں۔

استاد۔ نہانے کی جگہ؟

دوسرا لڑکا۔ وہاں پانی کا نل ہی نہیں ہے ماسٹر جی۔ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟

وہاں ہمارے سر پر چھت تک نہیں ہے۔

استاد۔ (جھنجھلا کر) خیر! وہ رفیوجی کیمپ تو عارضی جگہ ہے۔

دوسرا لڑکا۔ ہمیں کئی سال ہو گئے ہیں آئے ہوئے۔

استاد۔ چپ رہو! میں شہری زندگی کی باتیں بتا رہا ہوں۔ شہری گھروں کی۔ شہروں کے مکانوں۔ شہری بچوں کی۔ رفیوجی لوگوں کی باتیں نہیں کر رہا ہوں (ایک اور لڑکے سے) تم کہاں رہتے ہو۔

تیسرا لڑکا۔ میں کہیں نہیں رہتا۔

استاد۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

تیسرا لڑکا۔ جی! میں بالکل سچ کہتا ہوں۔ میں کہیں نہیں رہتا ہوں۔ ہمیں کوئی گھر نہیں ملا۔ ہم لوگ احمد آباد کے رہنے والے ہیں۔ میرے والد وہاں آدھا بھائی پورا بھائی سارا بھائی فرم میں کلرک ہیں۔

چوتھا لڑکا۔ یہ ہمارے پتاجی کی فرم ہے۔ ہماری کمپنی میں اس کا باپ کلرک ہے۔

تیسرا لڑکا۔ (غصے سے اسے دیکھتا ہے اور مکّہ دکھاتا ہے)

استاد۔ ارے۔ ارے۔ لڑو مت! دنگا مستی نہ کرو۔ کیوں مفت میں غصہ دکھاتے ہو؟ اچھا بولو۔

تیسرا لڑکا۔ اب میرے باپ کا تبادلہ ہو گیا ہے۔ ہم لوگ احمد آباد سے اپنا مکان چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں۔ اب ہمیں یہاں کوئی جگہ نہیں ملتی۔ اور اگر ملتی بھی ہے تو وہ چار چھ ہزار دس ہزار تک پگڑی مانگتے ہیں۔ میرے باپ کو صرف ۲۸۰ روپئے تنخواہ ملتی ہے۔ پگڑی کہاں سے دیں؟ پہلے ہم باہ

کے ایک دوست کے ہاں رہتے تھے۔ مگر اب اس نے بھی جواب دیدیا۔

استاد ۔ اب کہاں رہتے ہو؟

تیسرا لڑکا ۔ کہاں رہتے ہیں! کہیں نہیں۔ سڑک پر پڑے ہیں۔ ایک پیڑ کے نیچے سوتے ہیں۔ وہیں کھانا پکاتے ہیں۔ پولس والے آکر دھمکاتے ہیں تو وہاں سے اٹھکر چلے جاتے ہیں۔ اور کسی دوسری سڑک پر دوسرے درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں کہاں جائیں ماسٹر جی؟

استاد ۔ جہاں تمہارا جی چاہے۔ اب تم بالکل آزاد ہو۔ (لڑکے ہنستے ہیں)

استاد ۔ چپ۔ چپ۔ شہر کی صفائی شہری زندگی کا پہلا اصول ہے۔ اگر شہر میں صفائی نہ ہوگی تو بیماری پھیلے گی۔ لوگ مریں گے۔ شہر تباہ ہوگا۔ اس لئے ہر شہر میں میونسپل کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ صفائی رکھے۔ لیکن اس کام میں شہری بہت مدد کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو۔ گھر سے گلی۔ اور گلی سے بازار بنتا ہے۔ بازار سے مارکیٹ۔ مارکیٹ سے کارخانے اور کارخانوں سے شہر بنتا ہے۔ جو شہری اپنے گھر کی صفائی میں حصہ لیتا ہے وہ مانو کر پورے شہر کی صفائی میں حصہ لیتا ہے۔ تم میں سے جو لڑکا گھر کی صفائی میں حصہ لیتا ہے وہ ہاتھ اونچا کرے

(کچھ ہاتھ اونچے ہو جاتے ہیں)

استاد ۔ (ہاتھ اٹھانے والے ایک لڑکے سے) تمہارا نام؟

لڑکا ۔ جوہر چند آدیا بھائی سارا بھائی پورا بھائی۔

استاد ۔ تمہارا مکان کہاں ہیں؟

لڑکا ۔ ہمارے پاس مکان نہیں ہیں۔ فلیٹ ہیں۔

استاد۔ فلیٹ کہاں ہیں؟

جوہر چند۔ نئے فینسی روڈ پر۔ اس میں آٹھ کمرے ہیں۔ چھ غسل خانہ۔ چھ پاخانے اور چھ کچن۔

استاد۔ اس میں کتنے لوگ رہتے ہیں؟

جوہر چند۔ دو۔

استاد۔ صرف دو

جوہر چند۔ جی ہاں صرف دو۔ میں اور میرے والد۔ ویسے تو اور بھی لوگ ہیں مگر وہ ہمارے نوکر ہیں

استاد۔ کتنے نوکر ہیں؟

جوہر چند۔ چار نوکر اور نرسیں ہیں میرے لئے۔

تیسرا لڑکا۔ جبھی تمہارے پاس آٹھ کمرے ہیں۔ تو ایک کمرہ ہمیں دیدو۔ ہم لوگ تمہارے باپ کی فرم میں نوکر ہیں۔

جوہر چند۔ نہیں۔ نہیں۔ والد کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ نوکر پیشہ لوگ نہیں رہ سکتے۔

استاد۔ (تیسرے لڑکے سے) چپ رہو۔ بیٹھ جاؤ۔ ہاں جوہر چند آدھا بھائی سارا بھائی پورا بھائی تو تم اپنے مکان کی صفائی میں حصہ لیتے ہو؟

جوہر چند۔ جی ہاں۔ میں اپنے کمرے کی دیکھ بھال خود کرتا ہوں۔ نرس مدد ضرور کرتی ہے اور نوکر غالیچہ وغیرہ بھی صاف کرتا ہے۔ ویکیوم کلینر سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مگر میں اپنے کمرے کی صفائی ایک طرح سے خود ہی کرتا ہوں۔ کتابیں خود رکھتا ہوں۔ تصویریں خود جھاڑتا ہوں۔ بجلی کا پنکھا خود چلاتا ہوں۔ اور

خود ہی بند کر دیتا ہوں۔

استاد۔ شاباش۔ شاباش۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ ہم تمہارے والد کو خط لکھیں گے

نعیم۔ ایک خط ہمارے ابّا جی کو بھی لکھ دیجئے نا۔

استاد۔ تم بھی گھر کی صفائی میں مدد کرتے ہو۔

نعیم۔ مدد کرنا کیا معنی صاحب۔ سارے گھر کی صفائی میں ہی کیا کرتا ہوں۔

استاد۔ تمہارے گھر میں کتنے کمرے ہیں؟

نعیم۔ بارہ۔

استاد۔ بارہ کمرے ہیں؟ کہاں رہتے ہو؟

نعیم۔ نواب آف گھسیار و پیلس میں۔

استاد۔ بڑی اچھی تعلیم دی ہے تمہیں نواب صاحب نے۔ مگر تعجب ہے یہ سنکر کہ تم بارہ کمرے خود صاف کرتے ہو۔

نعیم۔ جی ہاں۔ ہر روز صاف کرتا ہوں۔ صبح اور شام

استاد۔ صبح بھی اور شام بھی؟

نعیم۔ جی ہاں۔ صبح چھ بجے اٹھ کر کمرے صاف کرتا ہوں آٹھ بجے تک۔ پھر نہا دھو کر اسکول آتا ہوں۔ اسکول سے جانے کے بعد پھر کمرے صاف کرتا ہوں اور کھانا کھا کر سو جاتا ہوں۔

استاد۔ تو تم بہت تھک جاتے ہو گے؟

نعیم۔ جی ہاں۔ بہت تھک جاتا ہوں۔ پہلے دو تین کمرے تو آسانی سے ہو جاتے ہیں بعد میں پسینہ آنے لگتا ہے اور جب بارہویں کمرے میں پہونچتا ہوں تو بالکل

چور چور ہو جاتا ہوں۔

استاد۔ تو تم اتنے کمرے صاف کیا کرد۔ کم کیا کرو

نعیم۔ کم کروں تو نواب صاحب مجھے مارتے ہیں۔

استاد۔ تمہیں مارتے ہیں؟ یہ تو بہت بری بات ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ تمہیں شہری زندگی کے اصول سکھا رہے ہیں۔ مگر بارہ کمرے صاف کروانے اور وہ بھی ایک چھوٹے سے بچے سے یہ زیادتی ہے۔ میں انہیں ضرور خط لکھوں گا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سراسر زیادتی کرتے ہیں۔

نعیم۔ میں نواب صاحب کا بیٹا نہیں ہوں۔ ان کے خانساماں کا بیٹا ہوں (معصومیت سے) ماسٹر جی آپ خط میں کیا لکھیں گے۔

استاد۔ (غصے سے) نکل جاؤ۔ (گھنٹی بجتی ہے۔ پردہ گرتا ہے)

چوتھی کلاس کا کمرہ

ماسٹر۔ بچو۔ آج ہم تمہیں بھارت کی تاریخ پڑھائیں گے۔ ہمارا دیش صدیوں کی غلامی کے بعد آزاد ہوا ہے۔

پہلا لڑکا۔ کتنی صدیوں بعد؟

ماسٹر۔ لگ بھگ دو سو سال کے بعد۔

پہلا لڑکا۔ لگ بھگ کیوں؟ ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتے آپ؟ نہیں بتائیے

ماسٹر۔ موہن تم فوراً کمرے سے باہر چلے جاؤ۔

ماسٹر۔ ہر لڑکے کو آزاد بھارت کی تاریخ پڑھنا چاہیئے۔ اس سے بہادری۔ تنظیم۔ سچائی۔ نیکی اور بھلائی سیکھنا۔ چاہیئے۔

دوسرا لڑکا۔ جی کیا ہم ایک بہادر قوم نہیں ہیں؟

ماسٹر۔ بہادر قوم تو نہیں ہیں۔ بن رہے ہیں۔

دوسرا لڑکا۔ کیسے نہیں ہیں ہم؟ مہاتما گاندھی۔ جواہر لعل نہرو۔ ولبھ بھائی پٹیل جیسے بڑے بڑے لیڈر یہاں ہوئے ہیں۔

ماسٹر۔ بڑے لیڈر سے ہی قوم بہادر نہیں بنتی۔

دوسرا لڑکا۔ ماسٹر جی! آپ نفرت پھیلا رہے ہیں۔

ماسٹر۔ کیا کہتے ہو؟

دوسرا لڑکا۔ ماسٹر جی آپ خطرناک باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کمیٹ ہیں۔

ماسٹر۔ تم گھاس تو نہیں کھا گئے میں تو ایک معمولی اسکول ماسٹر ہوں۔

دوسرا لڑکا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گا کہ ماسٹر جی ملک کے خلاف اُلٹی سیدھی باتیں بتاتے ہیں۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

ماسٹر۔ ارے بیٹھ بھی جاؤ؟ کہاں جاتے ہو؟ ارے دیکھ میں تم کو مٹھائی کھلاؤنگا۔

دوسرا لڑکا۔ جی نہیں میں سیدھا تھانے جاتا ہوں اور کہوں گا کہ ماسٹر رشوت بھی دیتے ہیں۔ مٹھائی کھلانے کو کہتے ہیں۔

ماسٹر۔ اچھا بابا بولو تو سہی تو کیا چاہتا ہے؟

دوسرا لڑکا - آپ کہیں کہ بھارتی بہت بہادر قوم ہے اور بھارت بہت بڑا ملک ہے

ماسٹر - بھارت بڑا ملک ہے اور بھارتی بڑی قوم ہے

دوسرا لڑکا - بہادر قوم ہے -

ماسٹر - بہت بہادر قوم ہے -

دوسرا لڑکا - دنیا کی سب سے بہادر قوم

ماسٹر - دنیا کی سب سے بہادر قوم -

دوسرا لڑکا - ٹھیک ہے اب آپ پڑھائیے - (لڑکا بیٹھ جاتا ہے)

(ماسٹر جی رومال سے پسینہ پونچھتے ہیں اور پھر میز پر سے ایک نقشہ اٹھا کر دیوار پر ٹانگ دیتے ہیں - پھر کھانس کر کہتے ہیں -)

ماسٹر - یہ آزاد بھارت کا نقشہ ہے اس کی حدود دیکھیے -

تیسرا لڑکا - یہ تو کچھ کم معلوم ہوتا ہے - پرانے نقشہ میں ہندوستان اس سے زیادہ تھا

چوتھا لڑکا - ہاں اب آزادی مل گئی ہے - اس لئے حدیں کم ہو گئی ہیں -

پانچواں لڑکا - ماسٹر جی کیا ہمیں پوری آزادی مل گئی ہے ؟

ماسٹر - پوری تو نہیں قریب قریب پوری ہی سمجھو -

پانچواں لڑکا - تو جب پوری آزادی مل جائے گا تو یہ حدیں اور بھی کم ہو جائیں گی -

چھٹا لڑکا - جی ہاں ! جوں جوں آزادی ملتی ہے نقشہ کم ہوتا جاتا ہے -

ماسٹر - چپ رہو - خاموش

چھٹا لڑکا - بہت اچھا جناب -

ماسٹر - اچھا اب میں اس کی حدوں کی تفصیل بتاتا ہوں - سنو - جنوب میں کشمیر

چھٹا لڑکا۔ کشمیر کیوں؟ کشمیر تو ھندوستان میں ہے۔

ماسٹر۔ ہاں ہے تو سہی۔ مگر اصل کے روپ میں نہیں۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ کشمیر بھارت میں رہے گا یا باہر چلا جائے گا۔

چھٹا لڑکا۔ مگر وہاں تو ہمارے سپاہی لڑ رہے ہیں اور روزانہ لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں۔ غداروں کو مار بھگانے کے لئے (حملہ آوروں کو بھگانے کے لئے)

ماسٹر۔ تو پھر کیا ہوتا ہے؟ لڑائی کے بعد لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ ھندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا باہر جانا چاہتے ہیں؟

چھٹا لڑکا۔ کشمیر تو سدا ہی سے ھندوستان میں تھا۔ اب یہ ھندوستان کے رہنے والوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ ھندوستان میں رہنا پسند کرتے ہیں یا نہیں اگر انہوں نے ناپسند کیا تو کیا ہوگا۔

ماسٹر۔ تو فوج واپس بلائی جائے گی۔

چوتھا لڑکا۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہم اس لئے لڑ رہے ہیں کہ کشمیری عوام لڑائی کے بعد یہ فیصلہ کر سکیں کہ وہ ھندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا باہر جانا چاہتے ہیں۔

ماسٹر۔ ہاں۔

چوتھا لڑکا۔ تو یہ فیصلہ تو لڑائی کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔

ماسٹر۔ کیسے پوچھ لیا جائے۔ وہاں ہمارے دشمن موجود ہیں۔

چوتھا لڑکا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ دشمن لے جائیں کشمیر کو۔ ہمیں تو کشمیر سے کوئی فائدہ نہیں

تیسرا لڑکا۔ نہیں ہے تو ہم کشمیر میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ لڑنے دیں کشمیریوں کو۔ وہ خود ہی اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں گے۔

ماسٹر۔ اصل میں بات یہ ہے کہ کشمیر بھارت کے لئے بہت ضروری ہے۔

تیسرا لڑکا۔ تو پھر اس بات کی معلومات ہونی چاہئے اور دنیا سے صاف کہہ دینا چاہئے کہ کشمیر ھندوستان کا ہے اور باقی سب باتیں غلط ہیں۔

ماسٹر۔ تم تاریخ نہیں سمجھتے۔

تیسرا لڑکا۔ آپ سمجھا دیجئے۔

ماسٹر۔ تو سنو! آجکل ھندوستان کی حد یہ ہے۔ جنوب میں کشمیر۔ دکن میں

تیسرا لڑکا۔ لنکا بھی تو ایک زمانہ میں ھندوستان کا حصہ تھا۔

ماسٹر۔ ہاں تھا۔ لیکن اب وہ آزاد ہے

تیسرا لڑکا۔ یعنی اپنے ہی دیش میں آزاد ہے۔ بہت خوب۔

ماسٹر۔ تم باتیں مت کرو۔ اور جو میں کہتا ہوں سنتے جاؤ۔

تیسرا لڑکا۔ بہت اچھا جناب۔

ماسٹر۔ اس کے پچھم میں پچھمی پنجاب اور پورب میں پوربی بنگال ہے۔

تیسرا لڑکا۔ پچھم میں پنجاب ہے اور پورب میں بنگال ہے

ماسٹر۔ نہیں پچھمی پنجاب ہے اور اس طرف پوربی بنگال

چوتھا لڑکا۔ لیکن پہلے تو پنجاب اس نقشہ میں شامل تھا۔ اور بنگال بھی سارا کا

ماسٹر۔ مگر اب آزادی ہو گئی ہے۔ پنجاب دو ہو گئے ہیں۔ ایک پچھمی پنجاب ا پوربی پنجاب یہی حال بنگال کا ہوا ہے۔

چوتھا لڑکا۔ لیکن پنجاب تو دو نہیں تھے۔ بنگال بھی ایک ہی تھا۔ ایک ہی زبان لوگ۔ ایک ملک۔ اور ہی لوک گیت اور ایک ہی لوک قصے کہانیاں۔

ماسٹر۔ نہیں اب یہ دو قومیں ہیں۔ اور دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ مشرقی پنجابی اور مغربی پنجاب۔ اسی طرح مشرقی بنگال اور مغربی بنگال۔

چوتھا لڑکا۔ تو اس طرح شمالی اور دکھنی بہار کی۔ اور یوپی کے باشندے الگ ہو سکتے ہیں یعنی قوم اور ملک نہ ہوئے جغرافیہ کا گوبر ہو گیا۔

ماسٹر۔ تمہاری تو بحث کرنے کی عادت ہے

چوتھا لڑکا۔ صاحب آپ ہی نے تو کہا تھا کہ خوب بحث کیا کرو۔ اس سے سوال کے ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ مگر یہاں تو اندھیرا بڑھتا ہی جاتا ہے۔ خیر آگے بتلائیے۔

ماسٹر۔ آگے کیا بتاؤں۔ خاک۔ تم لوگ سنتے ہی نہیں ہو۔ دیکھو اب اگر بیچ میں بولے تو اس ہنٹر سے کھال ادھیڑ دوں گا۔ آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ جو جی میں آئے بکتے چلے جاؤ۔ تم لوگ، طالب علم ہو بہت سی باتیں نہیں جان سکتے۔ ہم سے سیکھو

چوتھا لڑکا۔ بہت اچھا سر۔

ماسٹر۔ تو پیارے اچھی طرح سے جان لو کہ آزاد بھارت کی حدود ......

پانچواں لڑکا۔ تو ماسٹر جی اس کمرے میں بادشاہ جارج پنجم کی اور ملکہ وکٹوریہ کی تصویریں کیوں ٹنگی ہوئی ہیں۔ یہاں تو مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو اور ولبھ بھائی پٹیل کی تصویریں ہونا چاہئیں۔

ماسٹر۔ بات تو ٹھیک ہے بیٹا۔ مگر بات اصل میں یہ ہے کہ ہم لوگ ایک خاص رویے میں انگلینڈ کی رعایا ہیں۔

پانچواں لڑکا۔ ایسا کیوں ہے کیا ہمارے جواہر لعل نہرو بادشاہ نہیں ہیں۔

ماسٹر۔ نہیں بیٹیا۔ اب بادشاہوں کا تخت نہیں ہوگا۔ سچی آزادی میں تو جمہوریت ہوتی ہے

پانچواں لڑکا - جمہوریت کسے کہتے ہیں؟

ماسٹر - یہی عام لوگوں کی حکومت - ایسی حکومت جس میں لوگ - تمہارے والدین - کام کرنے والے لوگ - کلرک - کسان - مزدور - نوکری پیشہ - چپراسی - دوکان دار بھی اکٹھا ہوتے ہیں -

پانچواں لڑکا - تو اپنے لوگوں میں تو یہ لوگ شامل نہیں - پھر آزادی کے بعد ان لوگوں کی تصویریں کیوں یہاں پر ہیں؟ ماسٹر جی یہ تصویریں اتار دیجئے - یہاں ہم اپنے لیڈروں کی تصویریں لگائیں گے -

بہت سے لڑکے - ہاں سر -

ماسٹر - نہیں -

(اصرار - نہیں سر! ہاں سر! کا شور وغل بڑھتا جاتا ہے - بچے اٹھ کر ان انگریزوں کی تصویروں کو اتار دیتے ہیں - اور ان کی جگہ بڑے بڑے لیڈروں کی تصویریں لگا دیتے ہیں - ماسٹر جی نئی تصویریں دیکھ کر مسکراتے ہیں)

لڑکے - آزاد ھندوستان - زندہ باد - جے ھند - جواہر لعل نہرو - زندہ باد - دلبھ بھائی پٹیل - زندہ باد -

ایک لڑکا - جمن زندہ باد (سب لڑکے چپ رہتے ہیں)

ماسٹر - ارے یہ جمن کون ہے؟

جمن کا بیٹا - میرے والد تھے ماسٹر جی - وہ بھنڈی بازار کے ناکے پر موچی کا کام کرتے تھے ماسٹر جی - دیکھئے یہ ان کی تصویر ہے - اسے بھی یہاں لٹکا دو

ماسٹر - ارے پاگل ہے تو؟

جمّن کا بیٹیا - نہیں ماسٹر جی اسے ضرور ٹانگئے - میرے والد نے بھی آزادی کے واسطے جان دی ہے -

ماسٹر - ارے بے وقوف - ایسے تو ہزاروں آدمیوں نے جانیں دی ہیں - سب کی تصویریں یہاں تھوڑی ٹانگ سکتے ہیں ؟

جمّن کا بیٹیا - لیکن وہ میرے والد تھے ماسٹر جی - وہ ایک غریب موچی تھے - ہم لوگ بڑی شکل سے اپنا پیٹ پالتے تھے - وہی ہمارا سہارا تھے اور وہ آزادی کیلئے مر گئے - ماسٹر جی - امیر آدمی کے واسطے مرجانا آسان ہوتا ہے - غریب آدمی کا مرنا مشکل ہوتا ہے یہ تصویر ضرور ٹانگ دیجئے یہاں -

ماسٹر - نہیں - یہ تصویر اتنے بڑے لیڈروں کے ساتھ نہیں لگائی جاسکتی -

جمّن کا بٹیا - وہ میرے والد تھے ماسٹر جی - وہ بہت غریب تھے - انہوں نے تمام زندگی جوتے سیئے - کانگریس - مسلم لیگ - اور سوشلسٹ پارٹی اور نہ جانے کیا کیا - ہر پارٹی کے جلسے میں جاکر والنٹیر بن جاتے تھے اور لوگوں کو پانی پلاتے تھے - صبح سے شام تک کام کرتے تھے - کہتے تھے کہ یہ ثواب کا کام ہے - اور ہم لوگ ان دنوں اکثر بھوکے رہا کرتے تھے -

ماسٹر - (تصویر پھاڑ پھینکتا ہے)

جمّن کا بٹیا - آج دوسری بار میرے والد کو گولی لگی ہے - پہلی بار گولی انہیں بھنڈی بازار میں لگی جب جہازی ملاحوں نے ہڑتال کی تھی - اور بمبئی کے سب ہی شہریوں نے ان کا ساتھ دیا تھا - اور گورے گولیاں برساتے ہوئے بھنڈی بازار میں نکل آئے تھے جب والنٹیروں نے آزاد ہندوستان کے نعرے لگائے تھے - تو میرے باپ جی

بھی اپنا ہتھوڑا اٹھا کر ان میں شامل ہو گئے۔ اور جب گوروں نے گولیاں چلائیں تو میرے والد نے معافی نہیں مانگی۔ انہوں نے پیٹھ نہیں دکھائی وہ بھاگے نہیں ماسٹر جی۔ انہوں نے اپنے بچوں کا خیال نہیں کیا۔ انہوں نے ہماری بھوک اور فاقوں کے بارے میں نہیں سوچا۔ ہمارے ننگے بدن کا خیال نہیں کیا۔ انہوں نے ہنستے ہنستے ہتھوڑا اوپر اٹھایا اور بڑھ کر گوروں کے گولی کے وار کو اپنی چھاتی پر روکا۔ وہ پہلی گولی تھی جو میرے باپ کے سینے میں لگی۔

(کچھ لڑکے تصویر کے ٹکڑے اکھٹے کر رہے ہیں وہ تصویر کو ٹھنگ سے چپکا کر دیوار پر لگا دیتے ہیں۔ ماسٹر حیرت سے تکتا رہتا ہے)

سب لڑکے۔ جمن زندہ باد۔ جمن زندہ باد۔ جمن زندہ باد۔

(گھنٹی بجتی ہے۔ پردہ گرتا ہے)

جملہ حقوق محفوظ

مصنف — کرشن چندر
بارِ اوّل — ایک ہزار
کتابت — محمد سُفیان
مطبوعہ — انجمن پریس کراچی ۳

قیمت

[redacted]

میرا دوست

میرا دوست۔ لیکن میں اپنے کن کن دوستوں کا ذکر کروں؟ میرا دوست ایک تو وہ ہے جو کمزور دل کا ہے۔ مجھ سے باتیں کم کرتا ہے لیکن میری بیوی سے زیادہ باتیں کرتا ہے۔ کہیں آپ اس کا الٹا سیدھا مطلب نہ لے لیں۔ اصل میں وہ بڑا رحم دل اور زیادہ تر میری بیوی سے میرے بارے ہی میں باتیں کرتا ہے۔ بڑی ہی معصوم اور بھولی بھالی باتیں ہوتی ہیں وہ۔

مثال کے طور پر اسے معلوم ہے کہ میں کھانے میں کدو سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ ہر اس چیز سے جو دیکھنے میں اور کھانے میں کدو سے مشابہت رکھتی ہے۔ پھر چاہے وہ آدمی ہو یا سبزی ترکاری۔ میرا دوست اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے اس لئے وہ بڑی ہی ایمانداری سے میری بیوی سے کہتا ہے کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ دن سے آپ کے خاوند کا چہرہ اترا اترا سا ہے" میری بیوی کہتی ہے " ہاں میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں" میرا دوست کہتا ہے "کہیں کھانے میں کچھ کمی تو نہیں ہوتی ہے" "نہیں تو" میری بیوی کہتی ہے بڑے ہی بھروسے سے۔ دوست سر ہلا کر کہتا ہے۔ "پھر ان کے چہرے کی رنگت پیلی پیلی

کیوں ہے؟" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کھانے میں وٹامن "بی" کی کمی ہے۔ ایک بار میرے چہرے کی رنگت بھی ایسی ہی ہو گئی تھی تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو؟ میری بیوی جلدی سے پوچھتی ہے۔ تو میرا دوست بڑے ہی خطرناک ارادہ سے جواب دیتا ہے۔ تو ڈاکٹر نے مجھے صبح شام کدو کی بھاجی کھانے کو کہا تھا۔ میں دوسرے ہی ہفتہ بھلا چنگا ہو گیا۔

اب بیوی سر ہلا کر کہتی ہے لیکن وہ کدو کھاتے نہیں ہیں۔ اس لئے وٹامن "بی" کی کمی کیسے پوری ہو۔

یہی تو مصیبت ہے بھابھی۔ میرا دوست فخر سے سر ہلا کر کہتا ہے۔ تم ان کی بے جا نازبرداری کرتی رہتی ہو۔ اور ان کی صحت خراب ہوتی جاتی ہے یہ وٹامن "بی" کی کمی کیسے پوری ہو گی۔ تو میں کیا کروں؟ "کدو کھلاؤ" اور مگر وہ نہیں کھائیں گے۔ تم کھلاؤ تو ایک روز نہیں کھائیں گے دو روز نہیں کھائیں گے آخر جھک مار کر کھانا پڑیگا۔

بیگم فوراً اس صلاح مشورے کے بعد ہی گھر میں کدو کی بھاجی پکا کر ٹیبل پر رکھ دیتی ہیں۔ کبھی کدو کا حلوہ۔ کبھی کدو کا رائتہ۔ کبھی کدو کا شوربہ اور کبھی کدو کا ملغوبہ روزانہ کسی نہ کسی طرح کدو میز پر دھرا ہوتا ہے۔ جیسے کھا کھا کر اچھی بھلی رنگت پیلی پڑ جاتی ہے۔ بیوی مسکراتی ہے لیکن آپ تو دراصل پتہ نہیں کہ کدو آتا کہاں سے ہے؟ دوست اور دشمن کی پہچان ایک یہ بھی ہے کہ دشمن کی دشمنی کو آپ فوراً پہچان جاتے ہیں۔ لیکن دوست کی دوستی کبھی نہیں پہچان سکتے۔ خاص کر ایسے دوست جو آپ کی اپنی بیوی کی معرفت کدو کھلانے کا عادی ہو۔

لیکن میرا دوست جو مجھے کدو کھلاتا ہے اس دوست سے آگے ہیچ ہے جو اکیلے غم کھلاتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کدو کھانے میں اور غم کھانے میں بہت فرق

ہے۔ اگرچہ مزہ دونوں کا برا ہوتا ہے۔ پھر بھی کدو کھاتے کھاتے آپ کو کوفت نہیں ہوگی۔ لیکن لگاتار غم کھانے سے کوفت ہوگی۔ اس لئے اپنے دوست کو جو مجھے اکثر غم کھلاتا ہے میں کبھی بھول نہیں پاتا۔

اس کی ٹیکنک ہی عجیب ہے۔ دوسرے دوست تو اس وقت گھر میں آتے ہیں جب میں گھر پر ہوتا ہوں۔ وہ عام طور پر اس وقت گھر پر آتا ہے جب میں گھر پر نہیں ہوتا۔ وہ بڑی جلدی میں تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے اور آتے ہی مجھے زور زور سے آوازیں دینے لگتا ہے۔ پھر ٹیبل پر پڑی ہوئی پلیٹ میں سے انگور، ناشپاتی کھانے میں مشغول ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ میری بیوی سے باتیں بھی کرتا رہتا ہے۔

"تعجب ہے ابھی تک نہیں آئے؟ وہ سوال کرتا ہے۔ میری بیوی کہتی ہے اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ وہ اکثر اس وقت گھر پر نہیں ہوتے۔ تعجب کی بات ہے مجھ سے اس وقت ملنے کو کہا تھا۔ دوپہر کو سینما کے اندر جاتے ہوئے ملے تھے "سینما کے اندر جاتے ہوئے؟" میری بیوی گھبرا کر پوچھتی ہے۔

ہاں ہاں۔ میرا دوست انگوروں کا گچھا منہ میں ڈال کر کہتا ہے۔ ان کے ساتھ میں وہی آپ کی خوبصورت رشتے دار تھیں جو جوان سی ہیں، بڑی بڑی آنکھیں ہیں اور بال سنہرے۔ لیکن میری تو کوئی ایسی رشتے دار نہیں ہیں۔ میری بیوی اور گھبرا کر جواب دیتی ہے جو خوبصورت ہو، جوان ہو اور جس کے بال سنہرے ہوں۔

میرا دوست آدھا سیب منہ میں ڈال کر کہتا ہے تو جانے دیجئے کوئی اور ہونگی آجائیں گے وہ سینما دیکھ کر۔ اس بات چیت کے بعد میرا دوست ناشپاتی کاٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور میری بیوی میکہ جانے کے لئے سامان باندھنے لگتی ہے۔ تھوڑی

دیر لعد اس کی سسکیوں کی دھیمی دھیمی آواز میرے دوست کے کانوں میں پڑتی ہے
اور آپ نصیحت کرتے ہیں "گھبرائیے نہیں بھابی۔ جیون میں ایسا ہی ہوتا ہے"
"بھاڑ میں جائے ایسی زندگی" ممکن ہے مجھے دھوکا ہوا ہو بھابھی۔ نہیں میں سب
سمجھتی ہوں وہ ہیں ہی ایسے۔ مان لیجئے کہ وہ ایسے ہی ہیں بھابھی۔ پھر بھی انہیں راہ راست
پر لانا آپ کا فرض ہے "یہاں میں نے کوئی اسکول نہیں کھول رکھا ہے"
بھابھی آپ بھی غضب کرتی ہیں۔ آپ ہی نے انہیں اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ ورنہ
وہ اتنے آزاد نہ ہوتے۔ سچ کہتا ہوں بھابھی کہ جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو کلیجہ منہ
کو آجاتا ہے کہنے کو تو وہ میرے دوست ہیں۔ مگر میں اس کا یہ ظلم نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس
کو ہزار بار سمجھاتا ہوں لیکن کیا کروں میری سنتا ہی نہیں۔ کم بخت۔ ظالم۔ بدمعاش۔
اور وہ ـــ میری بیوی ـــ رو رو کر ـــ کہتی ہے۔ بس ان کے دوستوں
میں سے تم ہی سب سے اچھے ہو۔
بھابھی تمہاری جیب میں دس روپیہ ہیں؟ میرا دوست بڑے بھولے پن سے پوچھتا
ہے۔ اور پھر وہ دس روپیہ لے کر چلا جاتا ہے اور جب میں گھر پر آتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ
گھر میں بجلی فیل ہو چکی ہے اور موم بتی کی روشنی میں دسترخوان پر سیب کے چھلکے پڑے ہیں
اور میری بیوی میکہ چلی گئی ہے تو میں فوراً سمجھ جاتا ہوں کہ میرا دوست آیا ہوگا۔ وہی میرا
دوست جو ہمیشہ میری غیر موجودگی میں آتا ہے اور دس بیس روپیہ لے کر میری بیوی کا
سامان بندھوا کر اسے میکہ بھیج دیتا ہے۔ دوست اور دشمن کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ
دشمن آپ پر مردوں کی طرح حملہ کرے گا۔ جب کہ دوست بیوی کی معرفت حملہ کر سکتا ہے۔
لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ اس طرح دس بیس روپئے کھونے سے میرا زیادہ نقصان تو

ہو نہیں سکتا - لیکن گھبرائیے نہیں - اس کے لئے میرا دوسرا دوست حاضر ہے - جو اس کام کو وہاں سے شروع کرتا ہے جہاں سے میرے پہلے دوست نے ادھورا چھوڑا تھا۔ دوست اور دشمن کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ دشمن دشمن کی مدد نہیں کرتا - لیکن دوست دوست کی مدد ضرور کرتا ہے - کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں مدد کرتا ہے - میرا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ سچا دوست نہ صرف مصیبت میں مدد کرتا ہے بلکہ مصیبت بھی وہ خود دلاتا ہے - اور ایک مصیبت ہی نہیں - بلکہ بہت ساری مصیبتیں اکٹھی کر کے لے آتا ہے تاکہ مدد کرنے میں آسانی رہے -

ایک اسی طرح کا سچا دوست میرا وہ دوست ہے جو مجھے اکثر کوئی نہ کوئی نیا بزنس شروع کرنے کیلئے کہتا رہتا ہے - مثال کے طور پر ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگا "تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے رہتے ہو" کوئی بڑا دھندہ کیوں نہیں کرتے -

"کیا کروں؟"

فلم کا بزنس کرو - بڑا نفع ہے - بڑا دھندہ ہے وہ تم نے فلم دیکھی تھی "بندر ریکھا" کہتے ہیں کہ پروڈیوسر کو اس فلم میں کوئی ڈھائی کروڑ کا فائدہ ہوا -

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنے دوست کے کہنے پر سات لاکھ کا نقصان کر ڈالا - بڑا دھندہ تھا اس لئے اور سب کو فائدہ ہوا سوائے ہمارے - اب ہمارے دوست نے کہا "اصل میں دیکھا جائے تو بڑے دھندے میں بڑا خطرہ ہے - اب تم چھوٹا دھندہ کرو -

"کون سا چھوٹا دھندہ کروں"؟

یہی پان کی دکانیں - بہت سی خرید ڈالو - شہر میں ہر نکڑ پر تمہاری پان کی دکان دکھائی دے - اور ہر دکان پر تمہارا اپنا نوکر ہو - کم سے کم سو پچاس دکانیں کھول لو - چھوٹا

سا دھندا ہے۔ ہر دکان سے روز آنہ پانچ روپیہ نفع آتا ہے۔ سو دکانوں کے پانچ سو روپیہ روز آنہ آئیں گے۔ سال بھر کا حساب تم خود کر لو۔

بڑا خوبصورت سا چھوٹا سا دھندہ ہے۔ سال بھر کے بعد حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے تو فلم کا دھندہ کیا برا تھا۔ "بندر ریکھا" بناتے بناتے بنا رسی پان بیچنے لگے۔ معلوم ہوا شہر کے بیچ میں جو بڑا ہوٹل اپنا تھا وہ اب اپنا نہیں رہا۔ مکان بھی اپنا نہیں۔ اور موٹر دوست نے گروی رکھ لی ہے۔ اور اب وہ اس کے اسٹرینگ وھیل پر سر جھکا کر مجھ سے کہتا ہے "دوست یہ سب دھندے پرانے ہو چکے ہیں اب کوئی نیا دھندہ کرو۔"

"کون سا نیا دھندہ؟"

پلاسٹک کی چوٹیاں تیار کرو۔ اس لئے اب کی بار میں نے نیا دھندہ کیا۔ یہ میرا آخری دھندہ تھا۔ میں نے پلاسٹک کی چوٹیاں اور چوڑیاں تیار کیں اور پھر انہیں پہن کر اپنے گھر بیٹھ گیا۔ اب چھوٹے بڑے نئے پرانے سب دھندے ختم ہو چکے ہیں تمام دھندے ختم ہو جاتے ہیں لیکن دوست کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اس کے درمیان دوست اور دشمن کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ آدمی دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن دوست کا مقابلہ کسی حالت میں کر سکتا۔ ایسا کرنا دوستی کے اصول کے خلاف ہوگا۔ اس کا تجربہ مجھے حال ہی میں بیماری کے دوران ہوا۔ کیونکہ جیسا کہ بڑے بوڑھوں نے کہا ہے جب سب دھندے ختم ہو جاتے ہیں تو بیماری شروع ہو جاتی ہے۔ اب کی بار مجھے میرے ڈاکٹر دوست نے مجھے تبلایا کہ مجھے کچھ نہ ہونے کی بیماری ہے۔ آپ یہ سن کر ضرور حیران ہونگے کہ یہ کچھ نہ ہونے کی

بیماری کیا ہوتی ہے۔ تو سنئے! بیماریاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو جو ہوتی ہیں۔ یعنی آپ کو سردی ہوگی۔ مجھے گرمی ہوگی۔ آپ کو پیچش ہوگی۔ مجھے ٹی۔ بی ہوگی آپ کو کوڑھ ہوگی مجھے حیرت ہوگی۔ دوسری ہوتی ہیں نہ ہونے کی بیماریاں جس میں کچھ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کے بدن میں کیلشیم نہیں ہوتا ہے تو آپ کو کیلشیم نہ ہونے کی بیماری ہو جاتی ہے۔ لوہا نہیں ہوتا ہے تو لوہا نہ ہونے کی بیماری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وٹامن۔ فاسفورس۔ نمک۔ مٹی کا تیل نہیں ہوتا ہے تو بدن کی انگیٹھی بجھی بجھی سی رہتی ہے۔ اس لئے اب کے میرے بدن میں آیوڈین نہ ہونے کی بیماری ہے۔ ڈاکٹر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مجھے ایک بڑھیا انجکشن دیا۔ اور چلا گیا اس کے بعد میری شامت آئی یعنی میرا دوست آیا۔

یہ میرا دوست بڑا معصوم اور بھولا بھالا ہے اور ٹونے ٹوٹکوں کا متوالا ہے یعنی بالکل گڑبڑ جھالا ہے وہ آتے ہی لمبوترا سا منہ بنا کر میرے سرہانے بیٹھ گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا "کیا تکلیف ہے دوست؟"

"بدن میں آیوڈین نہیں ہے"

"تو ٹنکچر آیوڈین پیو" میرے گھر پر رکھی ہے

میں نے کہا "ٹنکچر آیوڈین پیتے نہیں بلکہ لگاتے ہیں"

وہ بولا "میرے خیال میں گھوڑوں کو پلاتے ہیں"

میں نے کہا "میں گھوڑا نہیں ہوں"

وہ بولا "معاف کرنا میں بھول گیا۔ میں نے سمجھا کہ میں ریس کورس میں بیٹھا ہوں۔ اس کے تھوڑی دیر بعد تک وہ چپ رہا۔ پھر سوچ بچار کر کر بولا۔

"میرے خیال میں تم ہلدی پیو تو اچھا ہے"

میں نے کہا "تمہیں ہلدی کا خیال کیوں آیا"

وہ بولا "ہلدی اور آیوڈین کا رنگ ملتا جلتا سا ہے۔ اس لئے اثر بھی ہوتا ہوگا۔ اس لئے تم ہلدی ضرور پیو۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں سمجھتا ہوں۔ دیکھو اب تم ضد نہ کرو۔ تم نہیں سمجھتے ہو۔ میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں"

میرے دوست میں یہ خوبی ہے کہ وہ خوب سمجھتا ہے اور میں کچھ نہیں سمجھتا وہ سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے میں کچھ نہیں دیکھتا۔ اگرچہ میرا دوست ڈاکٹر یا حکیم نہیں ہے تو کیا ہوا؟ اس کا دادا الو تھا۔ اور اس کے دادا جی کے بتائے ہوئے ٹوٹکے آج تک ہمارے گھر سے قبرستان تک چلتے ہیں۔ اس لئے مجھے زبردستی ہلدی پلائی پھر میرے سر ہلدی کا لیپ کر دیا میری انکھوں میں ہلدی کا سرمہ لگا دیا گیا۔ اور میرے ماتھے پر ہلدی کا چھڑک کر مجھے اپنی سمجھ میں قبرستان پہونچا کر جدا ہوگا

یہی سچے دوست اور دشمن کی پہچان ہے۔ کہ دشمن آپ کی اچھائیوں پر نظر رکھتا ہے اور آپ کی کمزوریوں پر حملہ کرتا ہے۔ دوست آپ کی اچھائی۔ بیماری اور کمزوری پر نگاہ رکھتا ہے اور چاروں طرف حملہ کرتا ہے۔ دشمن کا وار کبھی نہ کبھی خالی چلا جاتا ہے۔ لیکن دوست کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔

پرسوں میرا دوست اپنے خاندان کے ساتھ خودکشی کر کے مر گیا۔ اور مرتے وقت مجھے ایک بیوہ۔ گیارہ بچے۔ اور بہت سے لمبے چوڑے قرضے کی ذمہ داری چھوڑ گیا۔ وصیت میں اپنا کھجلی والے کتے کو بھی سپرد کر گیا ہے۔ آج کل میں

اس کھجلی والے کتے کو نہلاتا ہوں - اور سوچتا ہوں کہ دشمن کی دشمنی اس کے مرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے - لیکن دوست کی دوستی اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی بلکہ قیامت تک ساتھ دیتی ہے -

آل بھارت ہیروئنس کانفرنس

ہندوستان کی تاریخ میں ایسا موقع کبھی نہیں آیا تھا (میرا مطلب ہے اگست سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد) جبکہ فلمی دنیا کی ساری ہیروئنس آل بھارت ہیروئنس کانفرنس منعقد کریں۔

آل بھارت ہیروئنس کانفرنس کا افتتاح سندر بائی ہال بمبئی میں اس ۲۶ر فروری کی شام کو سات بجے شروع ہوا۔ پہلے تو کانفرنس منعقد کرنیوالوں کا ارادہ تھا کہ کانفرنس دن میں کی جائے۔ لیکن جب بعد میں سوچ بچار کیا گیا تو پتہ چلا کہ دن میں ہندوستانی ہیروئنس کی شکل وصورت سنیما کے پردے سے کافی مختلف ہوتی ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ کہیں تماشائی ایسی شکلیں دیکھ کر کانفرنس میں گڑبڑ پیدا نہ کردیں۔ اس لئے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کی صورت اور کسی حال میں شام سات بجے سے قبل شروع نہ کی جائے۔ اس فیصلہ پر دلیش کی سبھی ہیروئنس متفق ہوگئیں۔ اس میں وہ ہیرو

بھی شامل تھیں جن کو "میکس فیکٹر" کا میک اَپ کرتی ہیں اور وہ بھی ہیں جو "پین" میک اَپ پر گذارا کرتی ہیں۔ ان میں تین چار وہ ہیر ڈریسنس بھی شامل تھیں جن کے مونچھیں ہیں اور وہ بھی جو صرف تھوڑی پر حجامت کرتی ہیں۔ حد تو یہ ہے بھویں منڈوانی والی اور پلکیں چننے والی اور سارے چہرے کی "شیو" کرنے والی ہیر ڈریسوں نے بھی اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ یہ فیصلہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا دلیش بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اور کم سے کم ایشیا کی فلم انڈسٹری کے لئے ایک مثال قائم ہو سکتی ہے۔

کانفرنس کا افتتاح دلیش کے بڑے لیڈر جناب "جی۔ کے۔ کاکٹیل" نے کیا۔ افتتاح کرنے والے کا نام پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ میں آتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ نام جناب کاکٹیل کے والدین نے اس وقت رکھا تھا جبکہ دلیش میں شراب بندی قانون لاگو نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے حکومت نے اس نام پر کوئی ایکشن لینا ٹھیک نہیں سمجھا۔

(آپ تین بار جیل اور دو بار پاگل خانے جا چکے ہیں) ان صاحب کی ملکی خدمت کا ریکارڈ اتنا اچھا ہے کہ کئی دوستوں نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اگر وہ صرف اپنا نام بدل ڈالیں تو دیش میں انہیں بڑی سی بڑی پوسٹ مل سکتی ہے۔ لیکن چونکہ مسٹر کاکٹیل پرانے ڈھنگ کے آدمی ہیں اس لئے سمجھانے بجھانے پر بھی اپنا پرانا ڈھنگ نہیں بدلتے۔ اور اس پرانی ڈگر پر جس کو بھارتیوں نے پرانے ریت رواجوں کی زندگی کہہ رکھا ہے چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے بھارت کو وہیں رکھا ہے جہاں کے وہ آج ہے۔

مسٹر کاکٹیل کی افتتاحی تقریر بڑی زوردار تھی۔ ایسی تقریر صرف وہی کر سکتا ہے جس نے کم از کم بیس سال ملک کی خدمت کی ہو اور جو چھ بار پولیس سے پٹ چکا ہو۔ ایسی تقریر وہ آدمی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ جسے کبھی جیل میں "اے" کلاس نہیں ملی ہو۔ تقریر کے دوران اتنی زور

شور سے تالیاں بجیں کہ بھارتی ہیروئیوں کی ہتھیلیاں سوج گئیں۔ اور ہال میں ڈاکٹروں کو فرسٹ ایڈ کرنا پڑا۔ مسٹر کاکیٹل نے اپنی تقریر میں کہا کہ اصل میں ہندوستانیوں نے ہی فلم کا تعارف کرایا ہے۔ اور مہابھارت کی لڑائی کی پوری تصویر جو "سنجے" نے "دھرت راشٹر" کو دکھلائی تھی اصل میں ایک فلم ہی تھی۔ بھارت کی پہلی بولتی چالتی اور لڑتی جھگڑتی ہندوستانی فلم۔ جو سنسکرت زبان میں تیار کی گئی تھی۔ (مزے کی بات یہ ہے کہ یہ فلم ٹیکنیکلر بنی تھی) مہابھارت کی لڑائی کے بعد بھارتی نظام کا ڈھانچہ بکھر گیا۔ اس لئے یہ پرانی انڈسٹری بھی دوسرے منصوبوں کے ساتھ کھٹائی میں پڑ گئی۔ بعد میں پچھم کے سائنسدانوں نے ہمارے وید کو چرا کر "سکرین" کا آغاز کیا۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ ہندوستان ہی میں سب سے پہلے فلمیں بنیں۔ اور اس کا سہرا ہندوستان عرف بھارت کو ہی حاصل ہے۔

نہ صرف فلم بلکہ ایٹم بم کے بنانے کا سہرا بھی ہندوستان کے سر ہے (تالیاں) اور اگر کبھی ہائیڈروجن بم بنا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے بنانے کی ترکیب بھی ہمارے سائنسدانوں ہی سے چرائی جائے گی (تالیاں) کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تاریخ کے صفحات میں شیواجی مہاراج کی بہادری کا ذکر ہے جس سے ساری دنیا میں ہلچل مچ گئی تھی وہ آخر کیا تھا؟ اصل میں وہ ایک ایٹم بم تھا۔ جسے اس لڑائی میں ایٹم بم کہتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ ہمارے آپس کی پھوٹ سے ہماری یہ ایجاد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور آج غیر اس بم کی بدولت دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ میں ہندوستان کے کارکنوں سے آج بھی یہ گذارش کروں گا کہ وہ آج بھی مانس روور کے کنارے بیٹھ کر پوجا کر کے یہ بم پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان

کا نام پھر ایک مرتبہ دنیا میں روشن ہو جائے گا (تالیاں) مگر اس کے لئے بیس سال تک پوجا کرنا پڑے گی۔ ہے کوئی ایسا لیڈر جو یہ کام کر سکے (تالیاں) اس پر لوبی کی ایک خوبصورت ہیروئن نے جسے آجکل کوئی کام نہیں مل رہا تھا چلا کر کہا۔ حضور کیوں نہ تشریف لے جائیں۔ لیکن فوراً ہی اس کی آواز "شیم شیم" کے نعروں میں دب گئی۔

جناب کاکیٹل نے میز پر مکا مار کر کہا میں جانے کے لئے تیار ہوں؟ کیا آپ میں سے کوئی میرا ساتھ دیگا (تالیاں۔ پوری طاقت سے) دیکھا یہ ہے اس ملک کی نااتفاقی کا نتیجہ کوئی کسی کا بھروسہ نہیں کرتا۔ مزدور مالک کا بھروسہ نہیں کرتا۔ طالب علم استاد کا بھروسہ نہیں کرتا۔ اور ہیروئن لیڈر کا بھروسہ نہیں کرتی۔ آپس کی پھوٹ نے ہم سب کو ایک دوسرے سے الگ کر رکھا ہے۔ آؤ ہم ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں اور ساری دنیا کو بتا دیں کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔

بھائی اور بہن ایک ہیروئن بولی۔

جناب کاکیٹل نے اسے گھور کر دیکھا۔ نئی ہیروئن کی ایک آنکھ کانچ کی تھی۔ اس لئے وہ کاکیٹل کے گھورنے کو سہہ گئی۔ جناب کاکیٹل نے اپنی انگلی ہوا میں اٹھا کر کہا۔ معاف کرنا۔ ایک بات کہتا ہوں کہ آپ میں سے کسی ہیروئن کو اپنے ملک کا کوئی خیال نہیں۔

سب ہیروئنیں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے بالکل غلط ہے۔ وہ ہیروئن ٹھیک کر لیجئے۔ جس کی تصویر صابن کے اشتہاروں کے سوا کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

میں ان ہیروئنوں کی بات کر رہا ہوں جو اپنے ملک کو دھوکا دے کر غیر ممالک چلی گئی کاکیٹل نے کہا۔ اس پر ڈیلیگیشن کی عورتیں ہی نہیں پورا مجمع غصے میں آپے سے باہر ہو گیا

اور چیخ چیخ کر کہنے لگا غیر ممالک کی ہیروئنیں مردہ باد۔ انقلاب زندہ باد۔ ہم غیر ملکی ہیروئنوں کی فلمیں نہیں دیکھیں گے۔ کاکٹیل کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنے چاہنے والوں کو خاموش کرتے ہوئے انہوں نے " یہ اسپرٹ جو آپ میں آج پیدا ہو رہی ہے اگر اس وقت ہوتی تو ملک کا بٹوارہ نہ ہوتا۔ کیونکہ ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ لیڈروں کے بعد اگر عوام کسی کو چاہتے ہیں تو وہ فلمی ہیروئنیں ہیں (تالیاں) میں کہتا ہوں کہ اس وقت ملک کی قسمت ہیروئنوں کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ حکومت کو تو اس وقت کام سے فرصت ہی نہیں ہے۔ اس لئے هندوستانی ہیروئنوں کو ہاتھ بٹانے کے لئے میدان میں اتر جانا چاہئے۔ دیکھئے آپ کے آس پاس کے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے۔ چین میں انڈوچین میں سے ما میں۔ ملایا میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ اس آگ کو بجھانا آپ کا فرض ہے۔

مس کرکری بولیں! صاحب یہ فائر بریگیڈ والوں کی کانفرنس نہیں ہے ہیروئن کانفرنس ـ ـ ـ ـ ـ ـ شٹ اپ! دل کی گرہستی عرف حکم کا اکا کی ہیروئن مس اد. نے چلا کر کہا۔ اور اس نے جناب کاکٹیل کی جانب منہ کر کے کہا صاحب آپ اپنی جاری رکھیئے۔ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔۔ اعتراض کرنے والی ہیروئن نہیں ہے صرف ایک پلے بیک سنگر ہے

اور مرد ار تو کہاں کی ہیروئن ہے؟ کل کی ایکسٹرا ہمیں سلام کرتی تھی۔ آج اس ڈائرکٹر " دکھیا " کی مہربانی سے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

مس کرکری اور مس اوجھا دونوں میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ ہال میں شور مچ گیا۔ نکال دو۔ بھاگو کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور کسی نے جناب کاکٹیل سے کہا جلدی

اپنی تقریر ختم کرو ورنہ یہاں دفعہ ۱۴۴ لاگو ہو جائے گا

جناب کاکٹیل وقت کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ تقریر ختم کرتے ہوئے بولے۔ بس اسی وجہ سے تو فلم انڈسٹری بدنام ہے اور گورنمنٹ اسی لئے اس کی مدد نہیں کرتی۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ آپ مل جل کر رہیں۔ کھدر پہنیں۔ گڑ کھائیں اور ایک وقت کا فاقہ کریں۔ ایسا کرنے سے فلم انڈسٹری کا وقار بلند ہو جائے گا اور آپ لوگ اچھی اچھی فلمیں بنائیں گے۔ میں نے اب تک اپنی زندگی میں صرف دو فلمیں دیکھی ہیں ایک تو ہملٹ کی کامیڈی جو اتنی اچھی فلم تھی کہ میں ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا۔ دوسری ایک ٹریجیڈی تھی جس میں لال اور ہارڈی نے کام کیا۔ کیا بتاؤں ان دونوں کا کام دیکھ کر میرے دل پر گذری۔ دل پر اداسی چھا گئی اور میں گھنٹوں روتا رہا۔ اگر آپ لوگ بھی ایسی فلمیں بنا سکیں تو دنیا کی طاقت ہندوستان کی فلم انڈسٹری کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اچھا اب میں تقریر ختم کرتا ہوں۔ دل تو نہیں چاہتا لیکن ۔۔۔۔ خیر ۔۔۔۔ جے ہند (تالیاں)

افتتاحی تقریر کے خاتمے کے بعد مس چنبیلی خوشبو کے جھونکے اڑاتی ہوئی اسٹیج پر آئیں۔ مس چنبیلی نے اس وقت ایک کالی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ چال میں وہ بلا کی داستھی جیسے ایرانی بلی اٹھلا رہی ہو۔ مسکراہٹ ایسی لذیذ تھی جیسے بھارت سرکار کے لئے امریکن قرضہ۔ بال میں وہ ایسے چمک رہی تھی جیسے ریفریجیٹر میں دودھ کی بوتل۔ چنبیلی کانفرنس کی سکریٹری ہیں اور بھارتی فلم بنیوں کی نظر میں اس سے اچھی اور خوبصورت ہیروئن کوئی نہیں۔ آپ کے پاس اس وقت پچاس کنٹریکیٹ ہیں۔ تین موٹی تازہ اور گیارہ کتے۔ آپ کی تقریر مجھے زیادہ دلچسپ نہیں لگی۔ کیونکہ بدقسمتی سے یہ تقریر مجھے لکھنا تھی۔ مس چنبیلی نے مجھے اس کا بدلہ صرف پچاس روپئے دیئے تھے اور

باقی پیپاس پھر بھی دو نگی کیونکہ کر ٹال دیا تھا میں نے اس لئے تقریر کی کم اجرت کی وجہ سے یہ خیال کیا - میں جانتا تھا کہ میں کچھ بھی لکھوں لوگوں کو اس سے کیا وہ تو اپنی پیاری ہیروئن کو دیکھیں گے اور تالیاں بجائیں گے اور گیت گائیں گے - جونہی مس مینیلی نے کہا بہنو! اور بھائیو! ہال سے آوازیں آنے لگیں ہا ہا مار ڈالا - ظالم ذرا ادھر بھی دیکھ میں قربان - یہ کالی ساڑھی کیا ہے ناگن ہے یا قیامت! ذرا وہ سنا دو کالج کی چھو اب تیرے سوا کوئی نہیں - پتلی کمر یا ترچھی نظر یا ڈاڈا ---- کی آوازیں آنے لگیں

امید تھی کہ بات اور بڑھتی لیکن منتظمین نے فوری پولیس بلائی اور کانفرنس کی کارروائی پھر شروع ہوگئی - مس عزیز نے تقریر کے بعد آج کا پروگرام ختم کرنے کا اعلان کیا -

دوسرے دن ڈیلی گیٹس ہیروئنوں کا خاص اجلاس تھا - اس میں باہر والوں کو آنے اجازت نہ تھی - صرف پولیس اور پریس کے آدمی آسکتے تھے - اس مجلس میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی بہت سے قانون پاس کئے گئے جن پر عمل کرنے سے فلم انڈسٹری والوں کو فائدہ ہونے امید ہے - اس میٹنگ میں ہیروئنوں کا اسٹینڈرڈ مقرر کیا گیا

(۱) اسٹینڈرڈ کی ہیروئن جس کے پاس ۳۵ فلموں کے کنٹریکٹ ہوں - یعنی اصلی ہیروئن

(۲) سب اسٹینڈرڈ ہیروئن - (ا) جن کے پاس صرف سولہ کنٹریکٹ ہوں

(ب) جن کے پاس آٹھ یا اس سے کم کنٹریکٹ ہوں - طے ہوا کہ جن ہیروئنوں کے پاس آٹھ سے کم کنٹریکٹ ہیں - ان کو سائڈ ہیروئن سمجھا جائے اور انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ رات کے دن ڈائرکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر سٹوڈیو میں رہ سکیں - لیکن نمبر ایک ہیروئن اور اسٹینڈرڈ ہیروئن (۲) ایسا کرسکتی ہیں - بلکہ سٹینڈرڈ کی ہیروئن کو یہ بھی حق حاصل وہ پروڈیوسر کی گاڑی کو آگ لگادیں - یا اس کے منہ پر شراب پھینک دیں اور پیروڈ

اس پر کوئی دعویٰ دائر نہ کر سکے گا۔ یہ بات مس چھپکلی نے پیش کی اور سب نے منظور کر لیا۔

دوسرے دن کی کارروائی میں اپیل کی گئی کہ سب ہیروئنیں اپنے آپ کو دبلا کرنے کی کوشش کریں۔ آجکل جس رفتار سے ہندوستانی ہیروئنیں موٹی ہوتی جا رہی ہیں اسے دیکھتے ہوئے حیرانگی ہوتی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد فلم والے ہیروئنوں کے بجائے بھینسوں سے کام لینا شروع کر دیں گے اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے ابھی سے دبلا ہونا شروع کر دیں۔ کھانا ایک وقت کھاؤ اور جو دوسرے وقت کا بچے وہ ملک کے غریبوں میں بانٹ دو۔

مس سیلا نے اس کی تائید کی۔ آپ ہندوستان کی پہلی پارسی خاتون ہیں جو فلم میں کام کر رہی ہیں اس کے بدن اور اس کے موٹاپے کو دیکھ کر اگر سرکار چاہتی ہے کہ نشہ بندی کر دے تو اسے چاہیئے کہ فوری اس طرح کی عورتوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دے نہیں تو یہ مستی میں دگنی سے تگنی ہو جائے گی۔

تیسرے جلسہ میں فلم میں کام کرنے والے مردوں کے بارے میں کہا گیا۔ اس پر بہت دیر تک بحث ہوئی اور رنگ بھگے ہر صوبے کی ہیروئن نے اس میں حصہ لیا۔ اس میں کمپنی کے سیٹھ سے لے کر پبلسٹی افسر تک آگئے۔ مس چیچے کی کلی نے کہا۔ ایک تو فلم میں کام کرو پھر سیٹھ کی گنجی کھوپڑی سے محبت بھی کرو۔ ناانصافی کی حد ہو گئی۔

مس موٹا مٹرجی بولیں۔ وہ جس نے فلم کی کہانی لکھی ہے۔ ہر وقت اپنے گندے پان سے لال کئے ہوئے دانت دکھاتے ہوئے مجھ سے محبت جتاتا ہے اور ساتھ ہی دھمکی بھی دیتا ہے کہ اگر محبت کا جواب محبت سے نہیں ملے گا تو سین کاٹ دوں گا۔ جھاڑو کہیں کا۔ نالائق کا کتا۔

مس کوڑھی نے کہا اور وہ ہمارا کیمرہ مین ہے نا وہ بولتا ہے اگر میری بات نہ مانی تو

تمہارے چہرہ کا کوئی اینگل ٹھیک نہیں آئے گا۔

مس پلپلی اپنی ناک سہلاتے ہوئے بولیں ارے تو کیمرہ مین کو روتی ہے وہ جو ساونڈ ریکارڈسٹ ہے وہ کہتا تھا تیری آواز میں فالتو گونج ہے ٹھیک نہیں آئے گی۔ پھر ایلڈن میں اس کے ساتھ سیر تماشہ کو جو ہو چلی گئی اب میری آواز ٹھیک آتی ہے اب وہ فالتو گونج ساری نکل گئی۔۔۔۔ فالتو گونج ۔۔۔۔۔۔۔

اور ڈائرکٹر تو ہے ہی بارات کا دولہا۔مس جراثیم بولیں۔

اس کی بات مت کرو بہت سی ہیروئینں ایک ساتھ چلا اٹھیں۔اس کی وجہ سے جان مصیبت میں ہے۔گورنمنٹ جو غریبوں کے لئے اتنا کچھ کرتی ہے ہمارے لئے کیوں نہیں کرتی؟ گورنمنٹ کیا کرے مس چپاتی نے کہا۔گورنمنٹ مردوں کو عورت تو نہیں بنا سکتی۔یہ سارے مردوئے ایسے ہی ہوتے ہیں۔جب تک یہ مردوئے اس انڈسٹری میں رہیں گے یہ انڈسٹری اسی طرح برباد ہوتی رہے گی اور غریب ہیروئنوں کی کوئی نہیں سنے گا۔چاہئے تو یہ کہ انڈسٹری میں کسی مرد کو نوکری ہی نہ رکھا جائے۔ڈائرکٹر عورت ہو۔کیمرہ مین عورت ہو۔ڈائیلاگ عورت لکھے۔گیت لکھنے والی عورت ہو۔پبلسٹی آفیسر عورت ہو۔پھر دیکھو ان مردوں کو؟

ٹھیک ہے ٹھیک ہے بہت سی عورتیں شور مچانے لگیں۔ہم بہن چپاتی کی تائید کرتے ہیں۔تائید پاس ہو گئی اور ساتھ ہی یہ سمجھی کہ اب جو آدمی بچے ہیں وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔بعد میں مس اوجھڑی کے خیال میں آیا کہ کیا ہیرو بھی عورت ہوگی؟ اور کیا مس چپاتی نے کہا۔کوٹ پتلون پہن کر اور سر پر ٹوپ پہن کر ہم سے خوبصورت کون ہیرو ہوگا؟ اس پر سب چپ ہو گئیں۔یکایک مس ہیرا کو کچھ خیال آیا تو آپ اٹھ کر کہنے لگیں۔لیکن اس زیر ولیشن میں میرے بھائی کا ذکر کہاں ہے؟ شاید آپ لوگوں کو

معلوم نہیں کہ میرا بھائی کتنا آوارہ ہے۔ ادھر میں کسی فلم کی شوٹنگ میں گئی ادھر اس نے کسی کو پھانس لیا۔ اپنے بھائی کی عیاشی کی وجہ سے میرا جی جنجال ہے۔ مجھے اس سے بچایئے میں تباہ ہو رہی ہوں۔ مس ہیرا یہ کہہ کر رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگیں۔ مس نرگس چپ کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور خود اس کے ساتھ رونے لگیں۔ تھوڑی دیر میں تمام ہیروئنیں رو رہی تھیں۔ خوشبودار رومال چہروں پر پھیرا رہی تھیں۔ اور ایک دوسرے کو تسلی دے رہی تھیں۔ آخر کار جب آنسو اچھی طرح سے بہہ چکے اور دل ٹھنڈا ہو گیا تو فوراً ریزولیشن بھی پاس کر لیا گیا جس میں مس ہیرا کے بھائی کی کڑی نگرانی کے ساتھ ان بھائی بہنوں اور ماؤں کی بھی سخت الفاظ میں توہین کی گئی۔ جو بیچاری ہیروئنوں کی ہیں۔ ایک ریزولیشن اور پاس کیا گیا کہ چونکہ آج کل فلمیں بہت بنتی ہیں اور ہیروئنیں کم ہیں اس لئے کوئی ہیروئن ایک ایک مہینے میں ایک شوٹنگ سے زیادہ وقت نہ دے۔ نہیں تو ہیروئن سبھا اس کے خلاف کارروائی کرے گی۔ یہ ریزولیشن بھی کثرت سے پاس ہو گیا۔

مس بہنا کنور نے ریفوجی ہیروئن کی حمایت پیش کی اور کہا۔ آج یہاں ہمارا کون ہے؟ لاہور میں میرے پاس چھ کنٹرکٹ تھے۔ دو گاڑیاں تھیں۔ ماڈل ٹاؤن میں بنگلہ تھا۔ آج ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہم ریفیوجی ہیں میں اپنی بہنوں سے گذارش کرتی ہوں کہ جو ہیروئنیں پاکستان چلی گئی ہیں ان ہیروئنوں کی جائداد ہم کو دلائیے ان کے کنٹرکٹ ہمیں دلوائے جائیں۔ ان کی موٹریں ہمیں دلوائی جائیں اور ان کے عاشق بھی ہم کو دلائے جائیں۔

شٹ اَپ۔ شٹ اَپ! اپنے الفاظ واپس لو کے نعرے بلند ہونے لگے

مس کھوٹ پٹی نے جلدی سے معافی مانگ کر پیچھا چھڑا یا۔

آخر میں امریکن فلموں کے بارے میں کہا گیا اور اس پر جو بحث ہوئی اس میں بڑی گرما گرمی تھی - کچھ ہیروئنوں کا خیال تھا کہ امریکن فلمیں آنا چاہئیں اس سے ہمیں نئی نئی چیزیں سیکھنے کو ملتی ہیں اور کچھ مخالف تھیں ان کا کہنا تھا کہ اس سے ہمارے ملک میں عریانی پھیلتی ہے اور زر مبادلہ ضائع ہوتا ہے - مس جھٹ پٹ نے تقریر کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ان کی تقریر کے بعد یہ اندیشہ نہ رہا کہ یہ ریزولیشن پاس ہوگا مس جھٹ پٹ نے کہا بہن کھٹ پٹ امریکن فلموں کی نمائش کو برا خیال کرتی ہیں - میں کہتی ہوں کہ اس میں آرٹ کہاں ہے - میں جانتی ہوں کہ امریکن ہیروئنوں کو ہم پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے - اس لئے کہ وہ بوسے دے سکتی ہیں اور ننگی ٹانگیں دکھا سکتی ہیں - مگر ہم بے چاری شرمیلی - عزت دار ہندوستانی ہیروئنوں نے جو یہ دے سکتی ہیں نہ وہ دکھا سکتی ہیں اس لئے مہربانی فرما کر امریکن فلموں کو بند کر دو یا ہمیں اجازت دو کہ ہم بھی پردۂ سیمیں پر دکھا دیں کہ اس میدان میں ہم بھی اپنی امریکن بہنوں سے کسی طرح کم نہیں (تالیاں) اور اگر گورنمنٹ ہماری نہ سنے گی تو ہم معاملہ یو- این- او- میں لے جائیں گے - (زور زور سے تالیاں)

کانفرنس ختم ہوئی - جب میں فوٹو اتار کر اپنا کیمرہ لٹکا رہا تھا تو مجھے مس پریم پیاری نے گھیر لیا -

مسکرا کر بولیں - کہئے رپورٹ تو اچھی لکھیں گے نا؟ جی ہاں میں نے کہا - اور فوٹو فوٹو بھی اچھے آئے ہونگے - میرا الگ سے فوٹو لیا ہے ؟ مس پریم پیاری نے اپنی نئی سلور جوبلی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا -

لیا ہے -

مس پریم پیاری نے میرے قریب آکر بڑی بڑی آنکھیں جھپکا کر شہد گھولی

آواز میں کہنے لگیں - اگر تم اسے پہلے صفحے پر چھاپ دو تو --- تو --- ڈار ---

مس پریم ٹیازی میری طرف بڑھتی آئیں اور میں دروازے کی طرف واپس جا رہا تھا - لیکن وہ بدستور آگے بڑھتی آ رہی تھی - اس کی سلور جوبلی مسکراہٹ اب گولڈن جوبلی میں تبدیل ہو چکی تھی - وہ اور نزدیک آ گئی اور گولڈن جوبلی مسکراہٹ اب ڈائمنڈ جوبلی میں تبدیل ہو چکی تھی -

یکایک میں بے ہوش ہو گیا -

سیٹھ جی

سیٹھ جی کے ہونٹ بڑے بڑے اور موٹے بھدے تھے۔ ان کی ناک لمبی اور ٹیڑھی تھی۔ آنکھوں میں شیطانوں جیسی مکاری جھلک رہی تھی۔ میں جب ان کے دفتر میں پہونچا تو وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگے۔ آہا آہا آپ آئیں ہیں! ارے بھئی کشن جی آئے ہیں ایک کرسی اندر بھجوا دو۔

ایک چپراسی کرسی لے کر آیا میں اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے سیٹھ جی کے مسکراتے ہوئے چمکتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان کے چہرے پر بناسپتی گھی کا ڈبہ الٹ دیا ہے۔ یہ مسکراہٹ اسی گھی میں تلی ہوئی معلوم ہوتی تھی سیٹھ جی نے اپنے پیلے پیلے دانت نکالے۔ اپنے ہاتھ ملے اور ایک عجیب باریک سی ہنسی سے جو کسی شیطان گھوڑی کے ہنہنانے سے مشابہت رکھتی تھی کام لیتے ہوئے بولے۔ ارے واہ! ہم بڑے خوش قسمت ہیں۔ کشن جی آئے ہیں۔ میں نے ہری چند بھائی سے کہا تھا کہ کشن جی کبھی ملیں تو ہمارے پاس بھیج دینا۔ آپ تو کبھی آتے ہی نہیں۔ ارے بھئی لاکھ دو لاکھ کی بات ہی کیا ہے یہ غرض تو جب چاہو پوری کر لینا ہم سے تم نے تو ملنا ہی چھوڑ دیا ہے

میں نے کہا میں آج سے چھ مہینے پہلے اس کام کے واسطے آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اتنے پھیرے کروائے کہ میرے جوتے کے اندر کا موزہ بھی گھس گیا۔

ہا ہا ہا سیٹھ صاحب ہنستے ہوئے بولے آپ بڑے خوش مزاج معلوم ہوتے ہیں جوتے کے اندر کا موزہ بھی گھس گیا۔ ہا ہا ہا۔ ایسا مذاق تو ہم نے کسی فلم میں بھی نہیں سنا۔ اس کو لکھ ڈالو نا کسی فلم کے لئے۔ تمہاری قسم ہے فلم بہت چلے گی۔ ہا ہا ہا۔ ہنستے ہوئے سیٹھ جی کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں درد ہونے لگا۔

• جب اچھی طرح ہنس چکے تو گھنٹی بجاتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ کچھ پیئے گا ٹھنڈا ونڈا؟

ہاں! ٹھنڈے سوڈے میں وھسکی ڈال کر ہو لگا۔

اس کے بعد اس نے پھر ہنسنا شروع کر دیا۔ ایک لڑکا سیٹھ کی آواز سنکر اندر آیا اور اپنے سیٹھ کی بے ہودہ ہنسی دیکھ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ جب یہ طوفان رکا تو سیٹھ نے لڑکے کو کہا دو اچھی دمٹو لاؤ بوتلیں لاؤ۔

جب لڑکا چلا گیا تو آپ میز پر جھک کر میری طرف دیکھ کر کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ آپ روپئے مجھ سے سوا دو لاکھ کی جگہ ڈھائی لاکھ لے لیں لیکن پکچر ایسی ہو یا کلاسیکل ہو۔

میں نے کہا کلاسیکل سے مطلب آپ کلاسیکل میوزک ہے شاید۔ بہت اچھا میں دلیپ چندر بیدی سے گذارش کروں گا کہ وہ اس کا میوزک سنبھال لیں۔

نہیں، نہیں سیٹھ جی بولے آپ میرا مطلب غلط سمجھے آپ ایک ایسی پکچر بنائیں جو کلاسیکل ہو۔ یعنی جس کا جواب دنیا میں نہ ہو۔ آپ سمجھ گئے نا میرا مطلب؟ ایک دم فاسٹ سمجھے؟

سمجھ گیا۔ لیکن ایسی فلمیں ھندوستان میں دیکھے گا کون ؟ دیکھئے اس سے قبل ہم تین چار بار تجربہ کر چکے ہیں۔ ایک تو بنگال کے رہنے سہنے کے متعلق فلم تھی ملکی اور غیر ملکی ناظرین نے اس فلم کو دیکھا اس کی بہت بہت تعریف کی۔ روس۔ امریکہ انگلینڈ کے فلم بینوں نے بھی اس کی بہت تعریف کی۔ لیکن یہاں کہیں بھی تین چار ہفتے سے زائد نہیں چلی۔ آپ ایسی ہی فلم چاہتے ہیں نا!

نہیں۔ نہیں ایسی پکچر کیا کرنی ہے اپنے کو؟

تو پھر ایک فلم وہ تھی جس میں غریبی اور امیری کا جھگڑا خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ اداکاروں نے اچھی طرح اپنے پارٹ ادا کئے تھے۔ ڈائرکٹر نے بھی بڑی محنت سے وہ فلم بنائی تھی۔ ھندوستان میں بنی تھی۔ لیکن جب فرانس میں اس کو ریلیز کیا گیا تو وہاں کے باشندوں نے اسے اس سال کی بہترین فلم قرار دیا۔ لیکن ھندوستان میں وہ ابھی تک ڈبوں میں بند ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں --------

باپ رے ؟ میں نے ایسی پکچر کیلئے کب کہا ہے ؟ میں تو کچھ اور -----

میں نے کہا۔ تو پھر آپ تیسری پکچر چاہتے ہیں۔ جس میں ڈانس اور گانے پبلک کی پسند کے تھے۔ لیکن اس کی کہانی ریاستی جاگیرداروں کے خلاف تھی۔ جس کی وجہ سے کئی ریاستوں میں اس کا دکھایا جانا ممنوع قرار دیا گیا اور ڈسٹری بیوٹر بنانے والے کی جان کو آج تک رو رہا ہے مگر پکچر اچھی خاصی تھی۔ ریاستی عوام کی زندگی کا صحیح جائزہ۔

سیٹھ گھبرا کر بولے اپنے کو یہ جھگڑالو فلم نہیں چاہئے اپنے کو تو ایک سیدھی سادھی پکچر ...... میں نے بات کاٹ کر کہا۔ تو ایک وہ پکچر ہے بڑی سیدھی سادھی محبت کی کہانی ہے۔ مگر اس کا پلاٹ ہے زمین کسانوں میں بانٹ دو۔ پکچر تین بار سنسر ہوئی آخر

میں نہ تو زمین کسانوں میں پاس رہی اور نہ کسان رہے۔ خالی خولی محبت کی کہانی رہ گئی۔ شہد لگا کر چاٹنے کے لئے۔

سیٹھ جی بولے۔ نہ بابا۔ باز آیا۔ ایسی فلم اپنے کو نہیں چاہئے۔ نہیں تو ایک کوڑی نہ دونگا۔ میں تو ایسی کلاسیکی فلم چاہتا ہوں جیسے کھڑکی۔ سنتوشی۔ شہنائی۔

میں نے کہا۔ کھڑکی اور شہنائی تو فلمیں ہیں۔ لیکن سنتوشی کوئی فلم نہیں ہے۔ وہ تو کھڑکی اور شہنائی کے ڈائریکٹر کا نام تھا۔

ہاہا سیٹھ صاحب ہنستے ہوئے بولے۔ دیکھا کشن جی ناموں میں کیسی گڑبڑ ہو جاتی ہے پھر وہ ایک دم چونک کر بولے مگر سنتوشی نام بھی برا نہیں ہے۔ فلم کا نام سنتوشی رکھدیں تو کیسا رہے گا۔؟

نام تو اچھا ہے مگر سنتوشی صاحب آپ پر دس لاکھ کا دعویٰ کر دیں گے۔

اچھا جی! سیٹھ صاحب کرسی پر تلملائے۔ تڑپے اور ایک دم ٹھس ہو کر بیٹھ گئے جیسے ان کے سامنے ساری دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہو!

میں نے کہا سنتوشی نام تو نہیں البتہ "بیہوشی" نام کیسا رہے گا (بیہوشی) سیٹھ صاحب کرسی سے اچھل پڑے۔ زور سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولے واہ واہ کشن جی کیا نام سوچا ہے؟ "بیہوشی" بڑا اچھا نام ہے۔

میں نے کہا اس میں جتنے کیریکٹر ہیں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ہیرو۔ ہیروئن۔ ولین۔ سنیاسی۔ سائڈ سنیاسی۔ سائڈ ہیرو۔ سائڈ ہیروئن سب لوگ ایک ایک گانا گاتے ہیں اور گاتے ہی سب بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کیسا آئیڈیا ہے سیٹھ؟

کمال کر دیا کشن جی! مگر کتنے گانے رکھئے گا آپ؟

میں گانے بہت رکھوں گا - کیونکہ کیرکٹر بہت ہیں نا - اور ہر بار گانے کے بعد بے ہوشی ہوگی گویا ہر بار نیا ڈرامہ پیدا ہوگا - میں تو سمجھتا ہوں سیٹھ جی کہ پکچر لگتے ہی ہال میں ساری پبلک بے ہوش ہو جائے گی۔

واہ واہ! سیٹھ جی خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے - نیا آئیڈیا ہے - ایکدم نیا - میں ابھی اوپیرا ہاؤس بک کرتا ہوں اس کے لئے -

میں نے کہا ہاؤس تو بہت اچھا ہے - لیکن پبلک کی بیہوشی کے لئے ذرا چھوٹا رہے گا - کوئی بڑا اسٹال لیجئے - اور وہاں سے کرسیاں ہٹوا دیجئے - تاکہ لوگ پکچر دیکھتے جائیں اور وہیں فرش پر بے ہوش ہوتے جائیں - ذرا دیکھئے کیسی باکس آفس ہٹ پکچر بنتی ہے - لائیے ابھی چیک کاٹ دیجئے -

چیک تو دیتا ہوں لیکن اس میں میرا شیئر رہے گا - پکچر بھی گروی رکھونگا اور سود اور رائلٹی بھی لوں گا -

میں نے کہا سب منظور ہے -

وہ بولے ایک اور شرط ہے اس پکچر میں میرا شیئر رہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ پکچر کے درمیان کوئی شرارت ہو اور ہمارا نام بدنام ہو -

وہ کیسے ہوگا؟ میں نے پوچھا -

وہ ایسے کہ اسٹوڈیو کے اندر کوئی شراب نہیں پئے گا - کوئی سگریٹ نہیں پئے گا - کوئی لڑکیوں کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھے گا -

میں نے کہا یہ تو سب ٹھیک ہے - مجھے منظور ہے - مگر شراب کے لئے ---- ذ اتنی مشکل ہے کہ اگر میرے خیال میں کوئی ایک آدھ پیگ پی کر آجائے تو اسے کیسے ر

سکتے ہیں؟ ایک آدھ پیگ تو ڈاکٹر بھی زبردستی پلا دیتے ہیں بیمار کو۔

سیٹھ نے کہا۔ ارے ایک آدھ پیگ کی کیا بات ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے خیر! میں چیک لکھتا ہوں

وہ چیک لکھنے لگے۔ میں نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کھنکار کر کہا۔ اور سگریٹ سے تو مجھے سخت نفرت ہے۔ ہر وقت منہ سے تمباکو کی بدبو آتی رہتی ہے جیسے آپ کے منہ سے پیاز کی بو آ رہی ہے اور-----

سیٹھ جی ایک دم چونک کر بولے۔ کیا میرے منہ سے پیاز کی بو آ رہی ہے!

بو نہیں بلکہ بدبو آ رہی ہے۔

سیٹھ نے غصّے میں گھنٹی بجائی۔ چپراسی آیا۔ چپراسی سے کہا باورچی کو بلاؤ باورچی آیا سیٹھ اس پر برس پڑے۔ بدمعاش۔ سالے۔ تو نے بتایا نہیں کہ آج دال میں بھنی ہوئی اتنی پیاز ہے کہ میرے منہ سے بدبو آ رہی ہے۔

سیٹھ جی مجھے کیا معلوم؟

تجھے معلوم نہیں۔ سالے دس سال سے ہمارے ہاں کام کر رہا ہے اور تجھے یہ معلوم نہیں کہ میں بھنی ہوئی پیاز نہیں کھاتا ہوں۔ کیا جنگلی کے موافق گدھا ہے۔ نکل جا۔ ابھی جا۔ منیم جی سے حساب چکتا کرلے۔ باورچی سر جھکائے چلا گیا۔

میں نے کہا بات پیاز کی نہیں سگریٹوں کی ہو رہی تھی۔ اصل میں سگریٹ پینا بہت بری بات ہے۔ لیکن جب کبھی آدمی جب اسٹوڈیو میں کام کرتا ہے تو کام کی زیادتی کی وجہ سے آجاتی ہے۔ اس لئے سگریٹ پینا بہت فائدہ مند ہے۔

سیٹھ نے کہا نہیں نہیں میں ایسے سگریٹ پینے کو تھوڑی ہی منع کرتا ہوں۔

باقی رہی لڑکیوں والی بات تو بھلا اس پر کون بری نظر سے دیکھتا ہے۔ لڑکیوں کو بری نظر سے دیکھنا بہت بری بات ہے۔ لیکن آپ جانتے کہ سچی محبت کو کون روک سکتا ہے۔ جہاں مرد اور عورت ملیں گے وہاں سچی محبت بھی ہوگی۔ جیسا کہ آجکل فلم انڈسٹری میں ہزاروں بڑے بڑے پروڈیوسروں سے لے کر معمولی ایکسٹرا لوگوں تک میں ہو چکا ہے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے دو دو شادیوں کے بعد بھی سچی محبت کی ہے اب اس چیز کو روکنا تو بہت مشکل ہوگا۔

سیٹھ جی میں سچی محبت کو کب منع کرتا ہوں۔ آپ خود ایک بار اس جھنجھٹ میں پھنس گئے تھے۔

میں نے آنکھ دبا کر کہا سچ مچ سیٹھ جی؟ آپ بھی؟ یقین نہیں آتا۔

تمہیں لے لوکشن جی تمہارے سر کی قسم جو جھوٹ بولتا ہوں تو۔۔۔وہ۔۔۔۔

ہائے۔۔۔۔۔ میں مرگئی فلم کی ہیروئین۔ نہیں۔ نہیں ہیروئن نہیں سائڈ میں کون سی لڑکی تھی؟ جو گیت وری ہاں ہاں جو کشوری سے ہمیں محبت ہوگئی بڑھتے بڑھتے دو تین بچے بھی ہوگئے اب وہ کولابا میں رہے میں اس کو خرچہ پانی دیتا ہوں بالکل اپنی بیوی کی طرح لگتی ہے۔ اب ایسی محبت کو کون منع کرتا ہے۔ میں یہ تھوڑی کہتا ہوں کہ بالکل ہی کمیونسٹ ہوجاؤ۔

میں نے کہا وہ تو ظاہر ہے کہ آپ کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا۔

سیٹھ جی چیک انگلیوں میں گھما کر بولے کشن جی میں یہ کیا سن رہا ہوں کیمو پین کو لے گئے۔

ہاں لے گئے۔

ادھر ادھر ملایا میں بھی ان کی بدمعاشی چالو ہے

سنتے تو ہی ہیں۔

آج صبح میں نے خبر پڑھی کہ رنگون سے دس میل ادھر لڑائی ہو رہی ہے۔

میں نے کہا آپ نے ٹھیک پڑھا ہے۔

سیٹھ جی چیک کو انگلیوں میں گھماتے گھماتے رک گئے۔ انہوں نے غور سے چیک کی طرف دیکھا۔ میرے اور چیک کے درمیان چھ انچ کا فاصلہ تھا۔ سیٹھ جی نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر چیک کو پھاڑتے ہوئے کہا۔ کشن جی اب ہمارا دھندہ نہیں چلے گا۔ اب یہ سودا کرنے کا وقت نہیں ہے۔

یومِ آزادی

سنگل جزیرہ اور بنگل جزیرہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ دونو
کے درمیان صرف ایک پتلی سی سمندری نالی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب سفید بادشاہ کی حکومت
قائم ہوئی اس وقت یہ دونوں جزیرے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔
لیکن یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ جب ان جزیروں میں رہنے والوں کو آزادی کی ہوا
لگی تھی۔ سفید بادشاہ کے چلے جانے کے بعد جب سنگل جزیرے میں "پانچو" اور بنگل جزیر
میں "کانچو" کی حکومت قائم ہوئی تو دونوں جزیروں کے درمیان ایک پتلی سی نالی کھودی
اور دونوں جزیرے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔

پانچو اور کانچو کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ پہلے یہ دونوں جڑواں بھائی تھے او
صورت میں کبھا ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے تھے۔ سفید بادشاہ کو یہ سوچ کر
دکھ ہوتا تھا کہ اس کے دونوں راجکمار اس طرح جڑواں ہوں۔ اس نے بہتیرے علا
لیکن ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر میں ا
نیلے سمندر کے پار کفینگو جزیرے سے ایک نامور سرجن کو بلا بھیجا۔ اس نے آکر پانچو

کا آپریشن کیا۔ جس سے یہ دونوں بھائی الگ الگ آزادی سے زندگی گذارنے لگے اور سفید بادشاہ اور اس کے سرجن کے گن گانے لگے۔ جس نے انہیں الگ الگ چلنے پھرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔

پانچو اور کانچو دونوں سفید بادشاہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ سفید بادشاہ کو بڑائی کا بہت شوق تھا۔ اس شوق میں کبھی وہ پانچو کو اور کبھی کانچو کو ٹیک دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد پانچو اور کانچو دونوں سفید بادشاہ سے لپٹ جاتے اور بڑے پیار بھرے انداز سے کہتے۔

پانچو ـــ میں تیرا اچھا ہوں۔

کانچو ـــ نہیں میں تیرا اچھا ہوں سفید بادشاہ۔

اور سفید بادشاہ اپنے دل میں کہتا (تم دونوں الّو کے پٹھے ہو) مگر ظاہر میں مسکرا کر کہتا ہاں پانچو اور کانچو تم دونوں مجھے بہت پیارے ہو۔ سفید بادشاہ میں ایک اچھائی بھی تھی جب پانچو سامنے ہوتا تو اس سے کہتا میں مرتے وقت یہ دونوں جزیرے تو صرف تجھے ہی دوں گا۔ اور کانچو سامنے ہوتا تو اس سے کہتا یہ دونوں جزیرے تو صرف تمہارے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچو اور کانچو دونوں الگ الگ ان جزیروں پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے اور دونوں ایک دوسرے کو سفید بادشاہ کے سامنے بے عزت کرنے اور نیچا دکھانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

پہلے تو پانچو اور کانچو نے کہا ہم کبھی جڑواں بھائی نہیں تھے۔ ہم تو پیدائشی علیحدہ ہیں۔

پھر کانچو نے کہا پانچو میرا بھائی نہیں ہے میں تو سورج کا بیٹا ہوں

پانچو نے کہا میں تو چاند کا بیٹا ہوں۔

اس کے بعد پانچو نے جھلّا کر اپنے پاؤں میں لکڑی کا جوتا پہن لیا اور کانچو نے غصے میں آکر چمڑے کا جوتا پہن لیا۔ اس سے پہلے دونوں ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے لیکن جب ایک بھائی نے لکڑی کا جوتا اور دوسرے بھائی نے چمڑے کا جوتا پہن لیا تو سفید بادشاہ نے دربار میں اعلان کیا کہ آج سے ہماری حکومت میں دو وزیر ہونگے ایک کا نام پانچو وزیر ہوگا اور دوسرے کا نام کانچو وزیر ہوگا۔ پانچو وزیر ہمارے داھنی طرف اور کانچو وزیر ہمارے بائیں طرف بیٹھیں گے۔

داھنی طرف کے درباریوں نے کہا "پانچو وزیر زندہ باد"

بائیں طرف کے درباریوں نے کہا "کانچو وزیر زندہ باد"

سفید بادشاہ نے اپنا تاج اپنے سر سے اتار کر تخت پر رکھ دیا۔ اور کھڑے ہو کر کہا۔ آج سے میں نے راج پاٹ کو الوداع کہا۔ کیونکہ ہمارا "مشن" پورا ہو گیا۔ دونوں راجکمار بھگوان کی مہربانی سے ہوشیار ہو گئے ہیں اب وہ قوم کی بھلائی کے لئے اتنی ہی محنت اور لگن سے کام کر سکتے ہیں جتنی کہ میں آج تک کرتا آیا ہوں۔ میں سنگل جزیرہ پانچو کو اور جنگل جزیرہ کانچو کو سونپتا ہوں اور میں اصل ہیرے کی کشتی میں بیٹھ کر سفید جزیرہ جا کر جوگی کی زندگی گذاروں گا۔

پانچو اور کانچو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بہت سے درباری رونے لگے۔ بالکل شری رام چندر جی کے بن واس جیسا سماں تھا۔ لیکن پھر پانچو نے کانچو کی طرف اور کانچو نے پانچو کی طرف دیکھا اور ایک دوسرے کو ڈھارس بندھوائی۔ اور کہا۔ قوم کیلئے ہمیں یہ دکھ بھی سہنا پڑے گا۔ تمہیں سنگل جزیرہ کا دربار اور مجھے جنگل جزیرے کی حکومت چلانی پڑے گی۔ اب خوشیاں مناؤ اور اپنے اپنے جزیروں میں پارلیمنٹ

کا اعلان کردو۔

نقارچی کہہ رہا تھا خلقت خدا کی۔ حکومت سرکار کی۔ بالی اور بالے بنگلی جزیرے کی پارلیمنٹ کے ممبر ہوں گے۔ دائی اور درباری سنگل دیپ کے ممبر ہوں گے۔ اور یہ دونوں مل کر عوام کے لئے کام کریں گے۔

لیکن یہ عوام کون ہیں جس کی بھلائی کے لئے اتنا شور مچایا جا رہا ہے۔ اصل میں عوام ان دونوں جزیروں کی پیداوار تھی۔ اور ان کی وہاں بہتات تھی۔ پانچواور کا پنچو دونوں بھائی ان کا بیوپار کرتے۔ اور کروڑوں روپئے کماتے تھے۔ عوام کی دو ٹانگیں، دو ہاتھ، دو کان، دو آنکھیں، اور ایک منہ ہوتا ہے۔ پانچو اور کاپنچو کا خیال ہے کہ عوام کے سر نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو ہاتھی کی طرح چھوٹا سا ہونا چاہئے اس اصول کو دماغ میں رکھ کر پانچو اور کاپنچو عوام سے ہر طرح کام لیتے تھے۔ اور ان سے چیونٹیوں کی طرح پھیرے لگواتے تھے۔ عوام کھیتوں میں ہل چلاتے تھے۔ بیج بو کر فصل اگاتے تھے۔ لیکن جب فصل اکٹھا کرنے کا وقت آتا تو درباری لوگ سارا اناج اٹھا کر لے جاتے اور تھوڑا سا اناج عوام کیلئے چھوڑ دیتے۔ تاکہ عوام میں اتنی طاقت رہے کہ وہ ہل کو پھر سے پکڑ سکیں۔ عوام نہ صرف ہل چلاتی تھی بلکہ کارخانے بھی چلاتی تھی۔ جن میں کپڑا تیار ہوتا تھا۔ لیکن جب کپڑا تیار ہو جاتا تو درباری آکر سارا کپڑا الگ رکھ لیتے اور عوام کو صرف اتنا کپڑا ملتا کہ ان کی لنگوٹی تیار کرنے یا پھر کفن کے لئے کام آسکتا تھا۔ اسی طرح دوسرے جزیرہ کا بھی بالکل یہی حال تھا۔ یعنی عوام کام کرتے اور درباری کھاتے تھے۔

عوام بیچارے بڑے بھولے بھالے، معصوم، ایماندار، اور بڑے دل کے صاف تھے

انہیں پانچو اور کانچو سے بہت محبت تھی - کیونکہ ان راجکماروں نے عوام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تخت نشین ہوتے ہی عوام کیلئے کام کریں گے اور ان کی ساری تکالیف دور کردیں گے۔ سب سے بڑی تو یہ بات ہے کہ پہلے عوام سفید بادشاہ کے غلام تھے لیکن اب پانچو اور کانچو عوام کے غلام ہوں گے اور جیسا عوام کہیں گے ویسا کریں گے۔ عوام یہ بات سن کر بہت خوش تھے۔ پہلے تو اس نے سر کو جھکایا پھر اپنے سخت کھردرے ہاتھوں کو دیکھا پھر اپنے ننگے پاؤں کو دیکھا جس پر نہ لکڑی نہ چمڑے کا جوتا تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ یعنی عوام اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ اور پانچو اور کانچو ایک دوسرے کو آنکھ مار کر اپنے دربار میں چلے گئے۔

لیکن یہ بہت دنوں کی بات ہے۔ پچھلے سال سنگل جزیرہ سے ایک سیاح سنگل جزیرہ میں پہونچا تو اس نے دیکھا کہ سارے سنگل جزیرے میں خوشی کے نعرے گونج رہے ہیں اور لوگ جگہ جگہ خوشی سے ناچ رہے ہیں۔ کہیں کہیں لوگ مارے خوشی کے پاگل ہوگئے ہیں اور اپنے اپنے گھروں پر چراغ جلا رہے ہیں۔ جن کے پاس چراغ نہیں ہے انہوں نے جوش میں آکر اپنے گھروں کو آگ لگا دی ہے۔ اور شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس دن عوام تمام دن خوشی میں مشغول رہے۔ اگرچہ اس سے قبل وہ دن میں ایک مرتبہ کھایا کرتی تھی لیکن چونکہ آج خوشی کا دن تھا اس لئے عوام نے دن بھر فاقہ کیا اور اس خوشی میں اپنے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے اور اس کی جھنڈیاں بنا کر راجکمار پانچو کے جلوس میں لہرائیں۔ سچ مچ سنگل جزیرے کے عوام بڑے زندہ دل ہیں اور وہ اپنے درباریوں کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ سیاح نے اپنے دل میں سوچا۔

سیاح اس جزیرے میں پندرہ سال بعد آیا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس

جزیرے میں بھوک - بیکاری - غریبی اتنی زیادہ ہے کہ شاید دنیا کے کسی دوسرے جزیرے میں ہو - اس لئے جب وہ دوبارہ یہاں آیا تو پہلے عوام کی خوشی اس کی اس کے سمجھ میں نہیں آئی - وہ دیر تک بازاروں - گلیوں - محلّوں - کھیتوں اور کارخانوں میں گھومتا رہا - آخر میں جب اس سے رہا نہ گیا تو اس نے ایک ناچتے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا - بھئی کیا بات ہے ؟ اس قدر خوش کیوں ہو ؟ کیا تمہیں پیٹ بھر کر کھانا ملا ہے آج ؟

مگر اس آدمی نے صرف اتنا کہا " ایک کروڑ بار " اور پھر اس سیّاح سے ہاتھ چھڑا کر ناچتا ہوا آگے چلا گیا - پھر ایک جگہ سیّاح نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی آنتیں کاٹ کر پھولوں کی طرح ہار بنا رہا ہے - سیاح نے بڑے تعجب سے اس سے پوچھا ارے بھئی یہ تم کیا کر رہے ہو ؟

" مجھے پریشان نہ کرو " اس آدمی نے جواب دیا دیکھتے ہو آج ایک کروڑ بار ---
یہ کہتے ہی اس آدمی کے چہرے پر ایک عجیب سی موہنی مسکراہٹ آگئی وہ چپ ہو گیا اور سیاح کی طرف پیٹھ موڑ اپنا پیٹ کاٹنے لگا - سیاح حیران و پریشان آگے بڑھا یہاں اسے ایک اور آدمی ملا جو اپنے اور اپنے بچے کے بغل سے لہو نکال رہا تھا اور ایک گلاس میں جمع کر رہا تھا -

بھئی یہ کیا کرتے ہو ؟ سیّاح نے چیخ کر کہا - یہ تو خودکشی ہے -

اس آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا ہا ! ہا ! ہا ! آج میں بہت خوش ہوں آج ہماری سرکار نے ایک کروڑ بار --------

پھر وہ آدمی رک گیا - اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آئی اور وہ بولا - میں یہ گلاس دربار میں پیش کروں گا میرے پاس اور کچھ تو ہے نہیں -

اتنے میں اس کا بچہ بے ہوش ہو کر گر پڑا - وہ آدمی قہقہے لگانے لگا - سیّاح کی

سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ کیا ماجرا ہے - وہ پیچھے سے آگے بڑھ گیا آگے جاکر اسے ایک آدمی اور ملا - جس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور جو اس ساری دھوم دھام سے بے پرواہ آرام سے آگے چلا جا رہا تھا - سیاح نے اسے روک کر پوچھا -

بھائی ایک سیکنڈ کیلئے روک جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے ؟

ہتھوڑے والا آدمی چلتے چلتے رک گیا اور کچھ رک کر بولا -

پانچوا اور اس کے درباری پچھلے دس سال سے جس بات کی کوشش کر رہے تھے وہ آج پوری ہوگئی ہے - اس خوشی میں آج یوم آزادی منایا جا رہا ہے •

مگر وہ ایک کر دربار کیا ہے ؟

جاؤ دربار ہال میں جاؤ اور دیکھو مجھے پریشان مت کرو مجھے بہت کام کرنا ہے

اتنا کہہ کر وہ آدمی بھیڑ میں غائب ہوگیا - اور سیاح دربار ہال کی طرف چل دیا

دربار میں جاکر سیاح نے دیکھا کہ دربار ہال کالی جھنڈیوں سے سجا ہوا ہے - اور ہر ایک جھنڈی پر چاندی کے روپیے کی تصویر بنی ہوئی ہے - سیاح نے ایک درباری سے پوچھا -

یہ کیا بلیک مارکیٹ کا روپیہ ہے ؟

شی شی شی - درباری نے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا - یہ ہمارے دربار کا قومی نشان ہے -

معاف کیجئے - سیاح نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا - میں بالکل انجان ہوں - آپ کی دیش کی ریت رواجوں سے بالکل ناواقف ہوں - اس لئے اتنا بتلا دیجئے کہ یہ ایک کر دربار کیا بلا ہے ؟

درباری نے پھر اپنے منہ پر انگلی رکھ کر کہا چپ رہو اس وقت راج دربار میں قومی ترقی پر راجکمار پانچو کی تقریر ہونے والی ہے دھیان سے سنو۔ شاید اس تقریر میں تمہارے سوال کا جواب مل جائے۔ مسافر بڑے غور سے تقریر سننے لگا راجکمار پانچو نے کہا۔

ہم عوام کے لئے ہیں۔ ہمارا تخت عوام کے لئے ہے۔ عوام کی خوش قسمتی ہے کہ ہم جن عوام کی خاطر پچھلے دس برس سے رات دن سخت کوشش کر رہے تھے وہ آج ہم نے عوام کے واسطے پوری کر لی ہے (تالیاں) یعنی زمینوں کے مالک زمیندار اور جاگیردار ہوں گے اور کارخانوں کے مالک کارخانے دار (سرمایہ دار) ہوں گے۔ اور قانون کے مطابق عوام کو پورا حق حاصل ہو گا کہ وہ یتیموں کی طرح بھوکے رہیں ننگے رہیں سڑکوں پر سوئیں، اگر عوام چاہتے ہیں تو وہ جیل جا سکتے ہیں اور گولیاں بھی کھا سکتے ہیں عوام کو اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہو گا اور ہم نے اپنے قانون میں ہر جگہ اس بات کا خیال رکھا۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ عوام زمینوں پر، کارخانوں پر، نوکریوں پر اور ذاتی جائیدادوں پر اپنا قبضہ جمالیں۔ یہ انصاف کے تقاضے کے خلاف ہو گا۔ اور اسے قومی مفاد کے خلاف سمجھا جائے گا۔

ہم عوام سے محبت کرتے ہیں اور اس کے ساتھی ہیں۔ اس لئے ہم نے پہلے چاہا تھا اور وعدہ بھی کیا تھا کہ اس قانون کو عوام خود بنائیں گے۔ مگر چونکہ عوام ابھی ناسمجھ ہیں اور دوسرے اس وقت سنگل دیپ۔ پہ خطرہ ہے اور پانچو مہاراج کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اس لئے یہ قانون ہم نے اپنے درباریوں کے ساتھ مل کر بنایا ہے۔ امید ہے کہ عوام کو یہ قانون بہت پسند آئے گا۔ اور پسند آئے یا نہ آئے اس قانون

کو اب تو ملک میں رائج ہونا ہے جو آدمی اس کی مخالفت کرے گا۔ اسے عوام کا دشمن قرار دیا جائے گا۔ اور گولی مار دی جائے گی۔

آخر میں عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس قانون کو کامیاب بنائیں خود غم کھا کر دوسروں کو کھانا کھلائیں اور اپنے درباریوں پر پورا بھروسہ رکھیں۔ ہم آپ کے پرانے خادم ہیں۔ پچھلے پچاس برس سے آپ کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن یہ تو قسمت کی بات ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے سارے دربار کے عوام کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قانون کی تیاری میں پچھلے دس برس میں ایک کروڑ بار عوام کا نام لیا ہے۔ ایک کروڑ بار۔ ایک کروڑ بار۔ دنیا کی کوئی پارلیمنٹ آزادی میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں؟ (دس منٹ تک تالیاں)

ابھی دربار ہال تالیوں سے گونج رہا تھا کہ ایکا ایک کسی نے آکر خبر دی۔۔۔۔

حضور عوام دربار کی طرف آ رہے ہیں۔

ہائیں۔ پاپچو نے گھبرا کر کہا۔ وہ ادھر کیوں آ رہے ہیں؟ اس کا ادھر کیا کام ہے۔ دوسرا جاسوس آیا۔ حضور عوام دربار کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں چاروں طرف سے۔ پاپچو نے کہا انہیں روک دو اسی میں عوام کی بھلائی ہے۔

تیسرے جاسوس نے آکر کہا ــــ حضور وہ نہیں رکتے۔ آگے ہی بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے پاپچو کو دیکھیں گے۔ اپنے درباریوں سے ملیں گے اپنے دربار میں بیٹھ کر خود نذرانہ حضور کو پیش کریں گے۔

مگر ایک درباری نے کہا وہ لوگ یہاں کیسے آ سکتے ہیں۔ یہاں خوشبو ہی خوشبو ہی اور ان کے بدن سے بدبو آتی ہے۔ یہاں اچھے کپڑے ہیں اور ان کی

پوشاک تار تار رہے۔ یہاں تندرستی ہے وہاں بیماری۔

حضور۔ درباری نے ہاتھ جوڑ کر پانچو سے کہا۔ اگر عوام یہاں پہونچ گئے تو ہماری صحت خراب ہو جائے گی۔

پانچو نے کہا۔ انہیں روک دو۔ فوراً روک دو۔ قانون کی دفعہ آٹھ کے مطابق۔ اتنے میں چوتھا جاسوس بھاگتا ہوا آیا۔ حضور غضب ہو گیا عوام بگڑ گئے۔ پہلے تو وہ اپنے جیب میں بھوک اور اپنے ہاتھ میں آپ کے لئے نذرانہ لئے چل رہی تھی مگر اب وہ چلتے چلتے تھک گئی ہیں حضور۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دربار اتنی دور ہے حضور اب انہوں نے اپنا نذرانہ جیب میں ڈال لیا ہے۔ حضور میں نے روکنا چاہا مگر انہوں نے مجھے غور سے گھورا اور آگے بڑھ گئے۔ اور ایک خطرناک گیت گانے لگے۔ وہ گیت جو دربار کو بھی بدل دینا چاہتا ہے۔ اس کے گیت کے بول ہیں عوام کے پاس عقل ہے۔ سوجھ بوجھ ہے۔ اپنا دماغ ہے۔

سارا دربار چیخ اٹھا "فوج کو بلاؤ" عوام کو کیا ان کا سر مل گیا ہے عوام کو عقل آگئی ہے۔ ارے پولس کدھر ہے؟ فوج کدھر ہے؟ اب عوام کو روکو ورنہ وہ ہمارے دربار کو ختم کر دیں گے۔ فوج بلاؤ اور عوام کو گولی سے اڑاؤ۔

پانچواں جاسوس خون سے لت پت دربار میں آیا اور آتے ہی زمین پر لیٹ کر کہنے لگا۔ وہ لوگ بہت پاس آگئے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس بھوک کے پتھر ہیں۔ کال کی آگ ہے۔ ننگوں کا بارود ہے اور انقلاب کا ڈائنامٹ ہے حضور فوج کو فوراً حکم دیجئے۔

پانچو نے فوج کے کمانڈر سے کہا "مارو"

کمانڈر سلامی دے کر باہر چلا گیا۔ پانچو نے کہا دربار کا اجلاس جاری رکھا جائے اب درباری ممبر سائنٹ کی تقریر ہو گی۔

درباری ممبر سائنٹ نے کہا " ہمارے جمہوری قانون کی ۴۲ ویں دفعہ کے مطابق عوام کو لکھنے اور بولنے کی آزادی ہوگی۔ جلسہ اور جلوس نکالنے کا پورا حق ہو گا مگر۔۔۔
سیاح دربار سے باہر نکل آیا۔ باہر گولی چل رہی تھی۔ مشین گنوں کی تڑ تڑ زوروں پر تھی۔ اندر درباری ممبر سائنٹ تقریر کر رہا تھا۔ اور عوام دربار ہال سے باہر دور دور زمین پر بچھے جا رہے تھے۔ لوٹ لوٹ ہو رہے تھے۔ خون کی لہریں بہہ رہی تھیں۔ سیاح یہ نقشہ دیکھ نہ سکا۔ اور وہ اسی وقت سنگل دیپ سے روانہ ہو گیا اور نبگل دیپ جانے کے لئے ایک ناؤ پر سوار ہو گیا۔ تاکہ دیکھے کہ وہاں کے عوام کس حال میں ہیں۔ وہاں کے عوام یقیناً اچھی حالت میں ہونگے۔ اس نے ناؤ میں بیٹھے بیٹھے سوچا۔ ناؤ سمندر کی چھاتی کو چیرتی ہوئی نبگل جزیرے کی جانب جا رہی تھی۔ ملاح چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا ایکا ایک ناؤ کا ریڈیو بول اٹھا۔ ہم نبگل دیپ سے بول رہے ہیں۔ سیاح چونکا۔ اور ریڈیو کی طرف دھیان دیا۔

" ہم نبگل جزیرے سے بول رہے ہیں۔ ریڈیو کہہ رہا تھا۔ ہم نے سنگل جزیرے والوں کو آپس میں لڑا دیا ہے۔ ہمارے سننے والے یہ سن کر خوش ہونگے کہ سنگل جزیرے والوں کا قانون صرف دس سال میں بنا ہے۔ لیکن ہم نبگل جزیرے کا قانون بیس ۲۰ سال میں بنائیں گے۔ اور اگر گذشتہ دس سال سنگل جزیرے کے عوام کا نام ایک کروڑ مرتبہ لیا ہے تو ہم نے دو کروڑ مرتبہ لیا ہے۔ سیاح کے کان میں دو کروڑ مشین گنوں کی آواز آئی۔

ناؤ گھما لو۔ سیاح نے ملاح سے کہا

میں واپس اپنے وطن جنگل جزیرے جاؤں گا۔ جہاں نہ دربار ہے نہ درباری

صرف عوام ہی عوام ہیں۔

صاحب

صاحب یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ اس ملک میں کھانے کی کمی ہے۔ لوگوں کو کھانا نہیں ملتا۔ یہ جھوٹ ہے، غلط ہے، سراسر بہتان ہے۔ اور کسی کمیونسٹ کی اڑائی ہوئی افواہ ہے۔ ورنہ صاحب اس ملک میں کھانے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ یہاں پر ہر طرح کا کھانا ملتا ہے۔ اب مجھ کو دیکھئے میں مرغ، بٹیر، تیتر، پلاؤ، قورمہ، کباب ہر چیز کھاتا ہوں۔ روزانہ کھاتا ہوں اور بڑے مزے سے کھاتا ہوں۔ صبح شام میرے کھانے میں طرح طرح کی ترکاریاں شامل ہوتی ہیں۔ ادر ابھی پرسوں کی بات ہے۔ میں ایک وزیر سے ملاقات کرنے گیا تھا۔ وہاں پر کم از کم دس طرح کے کھانے میز پر سجے ہوئے تھے اور ہر قسم کے پھل بھی موجود تھے۔ اتنے بڑے بڑے سنگترے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ ہمارے ناگپور کے سنگترے تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ وزیر صاحب سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سنگترے خاص طور پر امریکہ کے کیلیفورنیا نام کے شہر سے منگوائے گئے ہیں۔ اور ان کی قیمت فی سنگترہ صرف تین مارشل ڈالر ہے۔ کیلیفورنیا کی دو چیزیں بہت مشہور ہیں

ایک تو سنگترے دوسرے ہالی وڈ کی ایکٹرلیسیں - ابھی سنگترے آئے ہیں، لیکن جب مارشل منصوبہ ہندوستان پر لاگو ہوگا تو ہالی وڈ کی ایکٹرلیسیں بھی آئیں گی اور ملک خوب ترقی کرے گا -

خیر! بات کھانے کی ہو رہی تھی - میں کہاں پہونچ گیا - اس دن کی بات ہے - جب کہ میں گورنمنٹ ہاؤس میں مدعو کیا گیا - وہاں پر بھی میں نے کھانے پینے کی کمی نہیں دیکھی کئی بار اپنے دوست رنچھوڑ لال کے یہاں ملاقات ہوئی - ان میں سب ہی لوگ کھاتے پیتے اور عیش اڑاتے نظر آئے - سمجھ میں نہیں آتا کہ اخباروں میں روزانہ جھوٹی خبریں کہاں سے آجاتی ہیں کہ ملک میں اناج کا کال ہے - صاحب میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ملک میں اناج کا کال بالکل نہیں ہے - اور کہیں ہے بھی تو کمیونسٹ کا کیا ہوا ہے - آپ ان کو گولی مار دیجئے اناج کا کال اپنے آپ ختم ہو جائے گا - یہ کمیونسٹ بڑے بدمعاش ہوتے ہیں صاحب - میں آپ کو اپنا حوالہ دیتا ہوں ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے اپنے ڈرائیور کو تین ماہ سے تنخواہ نہیں دی کچھ اتفاق ہی ایسا ہو گیا - دراصل میں اپنے ملازموں کا بہت خیال رکھتا ہوں - تو صاحب ڈرائیور خوب چیں چپڑ کرنے لگا - میں نے جب اسے ڈانٹا تو دوسرے دن سرخ نشان والوں کی ٹولی لے آیا - اور پاس پڑوس کی کوٹھیوں میں شور مچ گیا کہ پہلی کوٹھی والے صاحب نے اپنے ڈرائیور کی تین ماہ کی تنخواہ ماری ہے صاحب ان سرخ نشان والوں نے ڈرائیور کو تین ماہ کی تنخواہ دلوائی اور ایک مہینے کا بونس الگ دلوایا - اس الٹی کھوپڑی کے لوگ ہیں یہ - ان کو ہماری سرکار ختم کر دے اچھا ہے - ہم نے آزادی اس لئے حاصل نہیں کی کہ ڈرائیوروں کو لوگ بیتے پھریں اور مزدوروں کو منہ لگائیں - ایسے تو حکومت ہو چکی -

ہاں بھئی دوسرا پیگ بنالو۔ مگر ذرا بڑا بنانا۔ نہ جانے کیوں آج برانڈی میں مزہ نہیں آرہا ہے۔ اور مکھن میں تلے ہوئے یہ منبر اور آلو کے قتلے بھی کیوں لکڑی کے بنے ہوئے معلوم ہورہے ہیں۔ ہوٹل والوں نے اپنا خانساماں بدل دیا ہو شاید۔ کیوں... ٹبلر وہ پرانا خانساماں کہاں چلا گیا؟ ساٹھ روپے تنخواہ مانگتا تھا۔ ؟ باپ رے! ارے میاں یہ لوگ تو ساٹھ کیا ساٹھ سو میں بھی خوش نہیں ہونگے۔ آجکل تو زمانے کی ہوا ہی ایسی ہے۔ جسے دیکھو سر پہ چڑھا آرہا ہے۔ کہتا ہے مہنگائی دو۔ گذر نہیں ہوتی۔ ارے بھئی پہلے کیسے سات میں گذارہ کرتے تھے؟ میں کہہ رہا ہوں آگ لگ رہی ہے زمانے کو۔ چین میں دیکھو کیا ہو رہا ہے؟ ملایا میں کیا ہو رہا ہے؟ برما میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ ہماری سرکار کیوں سوئی پڑی ہے؟ چین میں فوجیں کیوں نہیں بھیجتی۔ ملایا میں فوج کیوں نہیں بھیجتی؟ کیا ہوا ہے اس کو؟ ارے بھئی میں نے تو اپنی بیوی کے ہیرے جواہرات اور زیورات سوئٹزرلینڈ بھجوا دئے ہیں۔ تم نے کہاں بھیجے ہیں؟ مغربی امریکہ میں۔ ہاں بھئی میں نے بھی سنا ہے کہ برازیل آجکل محفوظ مقام ہے۔ وہاں کوئی کمیونسٹ دم نہیں مار سکتا۔ مگر یار ادھر آؤ۔ قریب آؤ۔ ایک بات کہتا ہوں کہ کوئی سن نہیں رہا ہے۔ ان لوگوں کا کیا معلوم کسی دن وہاں بھی اٹھ کھڑے ہوں۔ ڈرائیور لوگ وہاں بھی تو ہوتے ہونگے۔ مزدور بھی ہونگے۔ بس یہ لوگ پھر وہاں بھی پہونچ جائیں گے۔

ہاں۔ بھئی۔ میں اناج کی کمی کی بات کر رہا تھا۔ ہندوستان میں اناج کی کیا کمی ہے ارے میاں یہ تو سونے کی چڑیا ہے سونے کی چڑیا۔ یہاں کی تو مٹی بھی سونا اگلتی ہے۔ ایک دن ہمارے بھنگی کو کوڑے کے ڈھیر سے سونے کا کنگن ملا۔ ایک دن میں نے دیکھ

کہ بھنگن نے میری بیوی کا سونے کا کڑا پہن رکھا۔ ہماری بھنگن بڑی خوبصورت
ہے۔ دیکھو تو لٹو ہو جاؤ۔ ایک دن آنا تمہیں بھی دیدار کروا دونگا۔ ہی ہی ہی۔
میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کڑا کہاں سے لیا؟ بولی میرے گھر والے نے دیا۔ پھر
میں نے بھنگی سے پوچھا وہ بولا مجھے کوڑے میں ملا تھا۔ یہ ہے ھندوستان کی مٹی میں
تمہیں اپنا حوالہ دیتا ہوں ایک بار جب میں بہت چھوٹا تھا۔ میں نے بھنگی کے بیٹے کے ساتھ
جنی یہ جواب ہمارا بھنگی ہے اس کے ساتھ کھیلتے ہوئے کوڑے کے ڈھیر کو ٹٹولنا
شروع کیا۔ تو اس میں سے ہمیں چار آنے کے پیسے ملے۔ دو سگریٹ ایک امرود
وکتابیں کے ورق جس کا نام تھا رازہائے شادی اور ایک زنانہ چپل کا جوڑا
جس سے لبعد میں امی نے مجھے مارا) ایک کیک کا ٹکڑا جس پر مکھن لگا ہوا تھا۔ بہت سارا
اور قورمہ اور چھ سات روٹیاں۔ یہ تو ایک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کا حال ہے۔ اب
رائن تو آس پاس کی کوٹھیاں۔ یہ غریب لوگ جو انہیں ٹٹولتے ہیں مزہ اڑاتے ہیں
ہ۔ کلکتہ، مدراس، بمبئی، دھلی میں ایسے کئی ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ جن سے لاکھوں
وڑوں آدمی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ہمیں تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
رچہ یہ ساری چیزیں ہمارے ہی گھر سے پھینکی جاتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ سرکار ان
ڑا کرکٹ چننے والوں پر ٹیکس لگا دے تو کیا رہے؟ لاؤ ہاتھ ملاؤ۔ میرے یار
بات کہی ہے۔ اس بات پر سرکار کو ہمیں وزیر بنا دینا چاہیے۔ کروڑوں روپیے
مدنی کر دوں اس ایک ٹیکس سے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ اصل میں کوڑا
میں کھانا نہیں ڈھونڈتے بلکہ یہ سب کمیونسٹوں کی چال ہے۔ میں سب جانتا ہوں
لوگوں پر ٹیکس لگانا چاہیئے۔ کیا خیال ہے آپ کا سرکار کو خط لکھوں؟

یہ اناج کی پیداوار بڑھانے کا سوال بھی سرکار کو یونہی پریشان کر رہا ہے ورنہ ھندوستان میں کیا کچھ نہیں۔ گیہوں ہوتا ہے۔ باجرہ ہوتا ہے۔ مکہ ہوتی ہے۔ گنا ہوتا ہے۔ گلاب کا پھول ہوتا ہے۔ انڈہ ہوتا ہے۔ اور مرغی کی ٹانگ ہوتی ہے۔ جس کا جواب دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ سچ کہنا دوست؟ کیا مزے کی بات کہی ہے اور لوگ اناج پیدا کرنے کا رونا رو رہے ہیں۔ اور میں اپنا ہی حوالہ دیتا ہوں کہ میرے پاس چار درجن سے زائد ٹوپیاں ہوں گی۔ اور ایک ٹوپی کا نمبر دوسرے تیسرے ہفتے جا کر آتا ہے۔ ایک بار میں ماڈرن رنگ کی امریکن ٹوپی پہننے لگا۔ (کیونکہ میں نے اس کے ساتھ کا امریکن سوٹ پہن رکھا تھا) تو کیا دیکھتا ہوں کہ ٹوپی کے اوپر ایک خوبصورت سا "پی" فلاور اگا ہوا ہے یہ کیسے ہوا؟ دیکھا تو اوپر مٹی کا ذرا سا ٹکڑا پڑا ہوا ہے۔ کہیں راستے میں گر گیا ہوگا۔ کہیں سے اسے نمی بھی مل گئی ہوگی۔ اب اس ذرا سی مٹی سے پھول اگ آیا۔ تو جناب یہ ہے ھندوستانی مٹی۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ھندوستانی اپنی ٹوپیوں پر اناج اگانا شروع کر دیں تو کیا رہے؟ ٹوپی کی لمبائی باون مربع انچ ہے اور ھندوستان میں تیس۔ پینتیس کروڑ تو لیتے ہوں گے۔ اب حساب لگاؤ تم! میں کہتا ہوں کہ اگر ھندوستان کے عوام اپنی ٹوپیوں پر فصل اگانا شروع کر دیں تو اناج کی قلت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا کہتے ہو۔ ننگے سر والے لوگ کیا کریں؟ ارے بھئی ان سروں پر بھی قانوناً ٹوپیاں بلکہ ٹوکریاں رکھدی جائیں۔ ہا ہا ہا کیا لطف رہے۔ دماغ کام کر رہا ہے اس وقت؟ ذرا اب بھی ایک بڑا پیگ دینا۔ اصلی فرینچ برانڈی پی کر میرا دماغ کام کرتا ہے۔ جانے نشہ اترنے کے بعد کیا ہوگا۔ خیر! یار پھر بیٹھو یہاں نہیں بیٹھیں گے تو آگے جا کر بیٹھیں گے۔ میں نے تو اپنا بینک اکاؤنٹ بھی کھلوا

بھیجدیا ہے جانے یہاں کل کیا ہو جائے کون کسی کا بھروسہ کرے؟ تم بھی ایسے ہی کرو میرے یار۔ بس دو چار لاکھ یہاں رہنے دو باقی بھیجدو باہر۔

اچھا بھیّا ایک بات اور سنو۔ اپنے ہاں لوگ کہتے ہیں کہ اناج کی قلّت ہے تو یہ لوگ کتے، چوہے، بلیاں کیوں نہیں کھاتے؟ ارے بھئی دوسرے کئی ممالک میں تو لوگ بڑے مزے سے یہ چیزیں کھاتے ہیں۔ وہ تو سانپ کو بھی ابال کر کھا جاتے ہیں یہاں کیوں نہیں کھاتے یہ لوگ؟ یہاں تو کتے، چوہے، بلیاں اتنی تعداد میں ہیں کہ کیا بتاؤں۔ صرف میری کوٹھی میں اتنی تعداد میں ہیں کہ ایک چائنیز ریسٹورنٹ کھل سکتا ہے۔ مگر کسی میں اتنی سمجھ ہی نہیں ہے کہ ان غریب آدمیوں کو یہ چیزیں کھانے کو کہیں۔ دراصل ہر ہفتہ راشن میں گیہوں، چاول، اور باجرہ دے کر ان لوگوں کے دماغ خراب کر دئے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ راشن ایک سرے سے بالکل بند کر دینا چاہیئے۔ تب کہیں جا کر یہ لوگ سیدھے ہوں گے۔ میں تمہیں ایک حوالہ دیتا ہوں کہ میں جب پیرس میں تھا تو مجھے ایک کینیڈین کمانڈر نے بتایا کہ ایک بار وہ ایسے ملک میں چلا گیا تھا کہ دو ہفتہ تک گھاس ہی ابال کر کھانا پڑی۔

اب بتلاؤ کہ جب لڑائی کے دوران کینیڈا کے کمانڈر گھاس کھا سکتے ہیں تو اناج کی کمی کے دنوں میں ہندوستانی گھاس کیوں نہیں کھاتے؟ کیا کہا بیجاپور کے لوگ گھاس ہی کھا رہے ہیں۔ گجرات میں بھی ٹھیک ہے۔ ان احمقوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیئے۔ نرے مورکھ ہیں یہ لوگ۔

کیا کہا تو نے؟ ہم اگر احمق نہیں ہوتے تو کوڑے کے ڈھیر میں کھانا کیوں ڈھونڈتے؟ اور اٹلانٹک چارٹر میں امن کیوں تلاش کرتے؟ کون ہے تو جو ہم دو شریف آدمیوں

کے درمیان بولتا ہے ؟

ارے تو اس ہوٹل کا بیرا ہے - یہاں ہمارے پاس کھڑے ہو کر ساری باتیں سنتا ہے - تو بھی مجھے کمیونسٹ معلوم ہوتا ہے - میں ابھی مینیجر سے تیری رپورٹ کرتا ہوں

نہیں - نہیں یار اب میں اور نہیں پیوں گا - اس سالی سے نشہ ہی نہیں آتا ہے -

مونگ کی دال

پیارے لونگا بھائی جی! (نمستے) بندے ماترم

لونگا ناڈو صوبہ میں کانگریس منسٹری کو چلانا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ صوبائی اسمبلی میں ہر ممبر کی اپنی ایک پارٹی تھی اور مجھے ہر وقت یہ ڈر رہتا تھا کہ کہیں اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت ہمارے کیبنٹ کو دھوکا نہ دے دے۔ ایسی حالت میں دیکھتے ہوئے مجھے مندرجہ ذیل کام کرنے پڑے وہ بھی اس بات کو سامنے رکھ کر جب تک صوبہ میں کانگریس منسٹری مضبوط نہیں ہو جاتی ہمارے صوبہ میں لونگا راج قائم نہیں ہو سکتا۔ بندے ماترم

کیبنٹ بناتے ہی سب سے پہلے کام میں نے یہ کیا کہ اپنے علاوہ اسمبلی کے تمام ممبروں کو اپنے دشمنوں کی لسٹ میں درج کر لیا (ہماری اسمبلی میں انچاس [۴۹] ممبر ہیں) پھر میں نے اس لسٹ سے دس ایسے ممبر چھانٹ لئے جو ہر موقعہ پر میری مخالفت کرتے تھے ان کو میں نے منسٹر چن لیا۔ یہ لوگ اس سے پہلے میرے کٹر مخالف تھے اب میرے سب سے اچھے دوست ہیں اور کانگریس منسٹری کے سب سے زیادہ قابل اعتماد ممبر

سمجھے جاتے ہیں۔

انچاس میں سے دس گئے۔ بچے انتالیس ۳۹- ان میں سے میں نے دس ممبروں کو منسٹروں کے لئے پارلیمنٹری سکریٹری چن لیا۔ بچے انتیس ۲۹- ان میں سے میں نے اپنے لئے چار کو پارلیمنٹری سکریٹری چن لیا۔ کیونکہ اتری، دکھنی، پوربی، اور پچھمی چونکا ناؤ صوبہ کا وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے میں اس کی چاروں کھونٹو کا خیال نہیں کر سکتا تھا اس لئے میں نے:—

۱- کرنل ہرجاب سنگھ کو اتری پارلیمنٹری سکریٹری بنایا۔

۲- چودہری چوہارام کو دکھنی سکریٹری کے عہدہ پر مامور کیا۔

۳- ملک گھسیٹا مل کو پوربی سکریٹری چنا اور

۴- کپتان خوش وقت رائے کو پچھمی سکریٹری کے عہدہ پر بٹھایا۔

اس طرح لگ بھگ آدھے ممبروں کو اسمبلی ہی میں سے سرکاری عہدہ دے دیا۔ اس کے بعد میرا کام بہت آسان ہو گیا۔ ایک اسمبلی ممبر کو میں نے چیف وھپ بنا دیا۔ دوسرے کو اس کا اسسٹنٹ اور تیسرے کو اسسٹنٹ کا اسسٹنٹ۔ بندرا کمار ایم۔ ایل۔ اے مجھے بہت پریشان کیا کرتا تھا۔ میں نے اسے پبلسٹی بورڈ کا چیرمین بنا دیا۔ سردار رکھو سنگھ اور سردار ڈھوڈیا کسی طرح راضی نہ ہو سکے اس لئے انہیں کمیونسٹ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ وہ دونوں آجکل پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل میں بند ہیں۔ یہ انگریزوں کے وقت کے پرانے قانون اس وقت بہت کام آرہے ہیں۔ حقیقتاً آج پتہ چلتا ہے کہ اُن لوگوں کا طریقہ کتنا اچھا ہے۔

اس طرح سے اسمبلی کے اکتیس ۳۱ ممبر کام پر لگ گئے۔ اب اسمبلی میں میری اکثریت

تھی۔ لیکن پھر بھی مخالف گروہ میں اٹھارہ ممبر رہ گئے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آجکل جمہوریت کے برے زمانے میں یہ اٹھارہ ممبر بھی بہت شور مچا سکتے ہیں۔ میں چاہتا تو ان میں سے پھ دس کو اور منتری بنا سکتا تھا۔ سب کے سب منتری بن جائیں تو اسمبلی کا کام کیسے چلے گا؟ پھر اخبار بھی شور مچائیں گے۔ اس لئے میں بہت فکرمند تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو کیسے راضی کروں۔ اتنے میں مخالف گروہ کے ایک ممتاز رکن نے کسی معمولی بات پر بھوک ہڑتال شروع کر دی اور مجھ پر دباؤ ڈالنے لگا۔ یہاں میں کہاں دبنے والا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ آجکل ہر طرح کی ہڑتالیں غیر قانونی قرار دی جا چکی ہیں۔ تم بھوک ہڑتال بھی نہیں کر سکتے۔ پھر اس طرح کا دباؤ ڈالنا سچائی اور اہنسا کے خلاف ہے۔ پھر اب بھوک ہڑتال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کانگریس نے بونگا راج قائم کرکے بونگا کی تاریخ میں ایک ایسی مثال پیش کر دی ہے جو جب تک دنیا رہے گی، جگمگاتا رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہت ساری باتیں میں نے اس سے کہیں لیکن وہ کم بخت نہیں مانا۔ اپنی بھوک ہڑتال پر ڈٹا رہا۔ آخر میں نے ایک دن اسے الگ لے جا کر کہا کہ تمہیں در حقیقت بھوک ہڑتال کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت تمہیں اس بات کی ہے کہ تمہارے پاس ایک شاندار پرمٹ ہو۔ جس کے ذریعہ تم ولایت سے بیوک گاڑیاں یہاں منگا سکو۔ میرا یہ اعلان سنتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے اسی وقت "بیئر" کا ایک گلاس منگوا کر اپنی بھوک ہڑتال توڑ دی۔

اس سے مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پرمٹ میں کتنی طاقت ہے اور زور ہے۔ اپنی بات منوانے کا۔ اس دن سے ہی میں اپنی داہنی جیب میں پرمٹ اور بائیں جیب میں باقی

سب ممبروں کو رکھتا ہوں (صرف ان دو بدمعاشوں کمیونسٹوں کو چھوڑ کر جو جیل میں ہیں) اور اب وزارت کا کام بڑے مزے میں چلتا ہے - سچ تو یہ ہے کہ اب ہماری اسمبلی میں کوئی مخالف جماعت ہی نہیں ہے اور بونگا راج میں مخالف جماعت کی ضرورت بھی کیا ہے ؟

اب میں آپ سے یہی استدعا کرتا ہوں کہ اگر آپ نے آنے والے چناؤ کے وقت میرے آدمیوں کو بونگا ٹکٹ دے دیں تو وہ لوگ ہمیشہ آپ کے مشکور رہیں گے آخر میں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ کچھ بدمعاش کانگرسیں والوں نے مجھے عاشق کہہ کر آپ کے کان بھرے ہیں - میں رتی بھر بھی عاشق نہیں ہوں - پچھلے بارہ سال سے میں اپنی بیوی کے ساتھ بھی اپنی ماں اور بہن جیسا سلوک کر رہا ہوں اور یہ کانگرسیں کے سچے اصول کے مطابق ہے - جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے سادھو کا روپ دھار لیا ہے آج کل میں صرف مونگ کی دال کھاتا ہوں اور نیرا پیتا ہوں - جو لوگ کہتے ہیں کہ میں عاشق ہوں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری اسمبلی میں کوئی عورت ممبر نہیں ہے - پھر مجھ پر عاشق کا الزام کیوں کر لگایا جا سکتا ہے ؟

پیارے بونگا بھائی مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ ان دشمنوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے - یہ لوگ تو آپ کے اور میرے درمیان ایک دشمنی کی کھائی کھودنے پر تلے ہوئے ہیں -

اور میں اپنے اس خط کو ایک خاص بات کے ساتھ ختم کرتا ہوں - آپ سن کر یقیناً خوش ہونگے کہ اگرچہ میں وکالت کے امتحان میں پانچ بار فیل ہو چکا ہوں لیکن اب بونگستان یونیورسٹی نے اس برس کانووکیشن کے موقع پر مجھے ایل - ایل - ڈ

یعنی وکالت کی سب سے بڑی ڈگری عطا کی ہے - ہاہا - میرا دل قہقہے لگانے کو چاہتا ہے - وقت کا پھیر دیکھئے اس یونیورسٹی نے مجھے وکالت کے امتحان میں پانچ مرتبہ فیل کیا اور اب ہاہا

آپ کا - - - - - - بہت بہت چاہنے والا

بونگا چند

پیارے بونگا چند نمستے

تمہارا خط پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی - جس کوشش سے تم نے اپنے لئے کانگریس منسٹری میں جگہ حاصل کی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور تمہارا باپ کی موت کے بعد ان کی آتما ہمارا پیچھا کر رہی ہے - مجھے تم پر پورا پورا بھروسہ ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ الیکشن میں تمہاری ہر طرح سے پوری پوری مدد کروں گا - اور تمہیں کو مشرق، مغرب، جنوب، شمال (کوئی سمت رہ گئی ہو تو شامل کر لیں) بونگا ضلع کا وزیر اعظم بنا دیا جائے گا -

لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے منسٹری بناتے وقت "بگلے" کو کیوں نظر انداز کر دیا - میں جانتا ہوں کہ بگلا ایک بہت ہی بیوقوف اور نالائق آدمی ہے - لیکن آجکل کے اصول کے مطابق وہ ہمارے بڑے کام کا آدمی نکل سکتا ہے - تمہارے ضلع میں اس کا کافی زور ہے - اور میرا خیال ہے کہ تم بگلے کو وزیر بنا لو اور اس کے مخالفوں کو دو چار سیکرٹری کے عہدے دیدو - پھر اس ضلع میں ہمیں کوئی نہیں ہرا سکتا - اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ پھر

بھی کبھی ہمارے دشمنوں کے باوجود عام الیکشن ہوگا اس وقت ہمیں لنگا بھگتوں کی سخت ضرورت ہوگی۔

میں تمہارے اس کام سے بالکل مطمئن نہیں ہوں جو تم نے ریفیوجی لوگوں کے لئے کیا ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے ضلع میں اناج کا کال ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں مہنگی ہیں۔ اس بارے میں اپنی مکمل رپورٹ فوری بھجواؤ اور مونگ کی دال کا کھانا فوری بند کرو۔ مونگ کی دال کھانا اور تیسرے درجہ میں سفر کرنا اس وقت اچھا معلوم ہوتا تھا جب شری حضور مہاراج زندہ تھے اور ہم تم جس منزل پر اس پر پہنچکر مونگ کی دال کھانا سرکاری رعب دبدبہ کے اصول کے خلاف ہے اس عادت کو چھوڑنے کی کوشش کرو۔

تمہارا لونگا بھائی

بزرگوار لونگا بھائی۔ آداب!

آپ کا خط مجھے ملا۔ میں نے جانچ پڑتال کر کے مندرجہ ذیل کام پورے کر لئے ہیں۔

۱۔ میں نے لنگا بھگتوں میں سے ایک کو وزیر بنا لیا ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی محکمہ نہیں ہوگا۔ کیبنٹ میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی اور اسمبلی میں کوئی سیٹ نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہے۔ لنگے نے اپنی طرف سے یہ یقین دلایا ہے کہ وہ ہمیشہ خاموش رہے گا۔ اور مصندوں کو برہمن کے برابر سمجھے گا۔ اس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ لنگے نے کہاں تک اپنی عقل کو استعمال کیا ہے

۲۔ لیکن لنگا بھگتوں کو پارلیمنٹ سکریٹری بنانا ٹیڑھی کھیر ہے

میں انہیں پارلیمنٹری سکریٹری بنا سکتا ہوں - یا انہیں وزیر بنا کر خاموش کار روائیوں کے لئے رکھ سکتا ہوں - لیکن اصل سوال یہ ہے کہ لگلا بھگت پارلیمنٹ کے ممبر نہیں ہیں - اس لئے مزید وزیر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسمبلی کے قانون میں ترمیم کی جائے -

۳ - ہمارے علاقہ میں اب رلیفیوجی نام کی چیز نہیں ہے - میں نے اپنے وزیر بحالیات سے اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی ہے - ان کا کہنا ہے کہ اب ہمارے علاقے میں کوئی شرنارتھی نہیں ہے - اس سے پہلے شرنارتھیوں کا مسئلہ بہت ہی نازک معاملہ اختیار کر چکا تھا - پھر میں نے وزیر بحالیات کو جو خود شرنارتھی ہیں وزیر بحالیات بنا دیا اور اب اس مشکل پر قابو پا لیا ہے - نہ صرف یہاں شرنارتھی ہیں بلکہ رلیفیوجی بھی نہیں ہے اور جو شرنارتھی تھے وہ سب یا تو کیمپوں میں لبا دئے گئے یا جیبوں میں آباد کر دئے گئے ہیں اور جو کچھ گنے چنے عزت دار شرنارتھی رہ گئے ہیں انہیں زمین، پرمٹ، ٹھیکہ وغیرہ دے کر لبا دیا گیا ہے - اب میں رلیفیوجی کا نام سننے کو بھی تیار نہیں ہوں - ہاں اگر آپ کا اصرار ہے تو بات دوسری ہے -

۴ - جہاں تک چیزوں کی مہنگائی کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ اس طرف دھیان ہی نہ دیا جائے اور آپ سے بھی میری درخواست ہے کہ آپ مہنگائی کی طرف ذرا سی بھی توجہ نہ دیں - ایسا سمجھ لیں کہ گویا مہنگائی ہے ہی نہیں - اس سے ساری مشکلیں خود بخود حل ہو جائیں گی - کیونکہ جب آپ مہنگائی کا تصور ہی نہیں کرتے تو پھر بلیک مارکیٹ کی پریشانی بھی باقی نہیں رہتی - بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ آج کل بلیک مارکیٹ کو قانونی طور جائز قرار دے دینا چاہیئے - بلیک مارکیٹ کو قانوناً جائز اور سفید بازار کو قانوناً جائز (لازمی) قرار دینا چاہیئے - اور جو آدمی یا دوکاندار چیزیں سستی

فروخت کریں انہیں کوڑوں کی سزا دی جانی چاہیئے۔ اگر آپ اس پر عمل کریں گے تو تھوڑے ہی دنوں میں آپ مہنگائی کا نام بھی نہ سن سکیں گے۔ عوام غم میں گھل کر آلو کی طرح پچک جائیں گے اور اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوگا اس سے مکانوں کی مشکل بھی حل ہو جائے گی۔ زیادہ کھلی ہوا اور زیادہ کھلی جگہ سب کو مل جائے گی اور ہمارا ایک قدم اور آگے بڑھے گا۔

۵۔ آخر میں تیسرے درجے میں سفر کرنے کا سوال ہے۔ مجھے اس سے انتہائی دکھ پہنچے گا لیکن آپ اگر کہیئے تو میں آج سے ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرنا بند کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آج سے کبھی ہوائی جہاز، فرسٹ کلاس یا ائیرکنڈیشنڈ سے کم میں کبھی سفر نہیں کروں گا (اس وقت میری آنکھیں بھر آئی ہیں) کیونکہ میری نظر میں مرحوم مہاراجہ کا چہرہ گھوم رہا ہے جنہوں نے ہمیں لونگا راج دیا لیکن جن کے میموریل فنڈ کی رقم ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ لیکن لونگا بھائی میں مونگ کی دال کھانا کیسے بند کر سکتا ہوں؟ میں بانگرس ہائی کمانڈ کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں کیا کھاتا ہوں۔ کیا پہنتا ہوں اس پر بانگرس ہائی کمانڈ کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا نجی معاملہ ہے۔ چاہے میں مونگ کی دال کھاؤں یا چنے کی یہ تو ہمارے منہ پر اتنا زبردست طمانچہ ہے جسے میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا اس لئے میں برابر مونگ کی دال کھاتا رہونگا۔

آپ کا بہت بہت ------

لونگا چند

ارجنٹ ٹیلی گرام (لونگا بھائی سے لونگا چند کو)

مونگ کی دال کھانا فوری بند کردو ورنہ استعفےٰ پیش کردو

بونگا بھائی

ارجنٹ ٹیلی گرام جواب

خدا کے لئے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں مونگ کی دال بالکل سادی سی غذا ہے۔ سٹاپ! مونگ کی دال کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں ہے سٹاپ! مونگ کی دال کو حضور مہاراج بھی پسند کرتے تھے سٹاپ! دیکھئے مرحوم مہاراجہ کی کتاب "میں اور مونگ کی دال" صفحہ ۴۲۰

بونگا چند

جوابی تار

بانگرلیس ہائی کمان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مونگ کی دال کھانا بند کردو ورنہ الگ ہو جاؤ۔

بونگا بھائی

جوابی تار

مونگ کی دال بند کردی ہے سٹاپ پیچش ہو گئی ہے سٹاپ مبارکباد دیجئے

بونگا چند

اخبار کی سرخی

اسٹاپ پریس۔ بونگا پور۔ خبر ملی ہے کہ جناب بونگا بھائی اور بونگا چند کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں اب وہ دور ہو گئی ہیں اس لئے مشرق، مغرب، جنوب، ل صوبوں کی وزارت میں فی الحال کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

ھندی کا نیا قاعدہ
(بڑی عمر کے بچوں کے لئے)

(۳۱) ا سے امن

بچو! یہ امن کا وقت ہے۔ جس طرح "ا" اس پیراگراف کا پہلا لفظ ہے اسی طرح امن بھی ہماری زندگی کا پہلا لفظ ہے۔ ہمارے سماج کا پہلا اصول۔ امن ہمیشہ دو لڑائیوں کے درمیانی وقفہ کو کہتے ہیں۔ پہلے لڑائی ہوتی ہے پھر امن امن کے بعد پھر لڑائی ہوتی ہے۔ اور اگر لڑائی نہیں ہوتی ہے تو لڑائی کی تیاری ہوتی ہے۔ ابھی تھوڑے سال ہوئے لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ دشمن ہار گئے اور امن کا زمانہ آیا۔ امن ہمیشہ دشمن کی ہار کے بعد آتا ہے۔ یاد رکھو امن کے بعد لڑائی ہوتی ہے۔ آج کل لڑائی کی تیاری ہو رہی ہے۔ امن کے لئے کاغذ کے ایک پرزے کی ضرورت ہوتی ہے اور لڑائی کیلئے آدمی کے خون کی۔

اب ہماری دنیا کے بڑے بڑے سائنسداں جنہوں نے گیس، ٹینک، توپ، ایٹم بم اور لڑائی کے دوسرے ہتھیار بنائے ہیں اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ لڑائی کی تیاری کا زمانہ بہت کم ہو جائے اور ہم آسانی سے ایک لڑائی سے نکل کر

دوسری لڑائی میں شامل ہو سکیں۔ لڑائی اس لئے لڑی جاتی ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو۔ کیونکہ اگر امن کے بعد امن نہ ہو تو لڑائی ہوئے کیوں؟ اس لئے دنیا میں امن لڑائی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ لڑائی اس لئے کی جاتی ہے کہ دنیا میں امن رہے اور امن کی مانگ بھی اس لئے کی جاتی ہے کہ لڑائی کی تیاری اچھی طرح کی جا سکے۔ ہر اگلی لڑائی پچھلے امن کی شرطوں پر پیدا ہوتی ہے۔ امن لڑائی کو پیدا کرتا ہے جس طرح ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اس لئے کہو! سے امن۔

(आ) آ ۔۔۔ آتما (روح)

بچو! آتما یا روح اس کانٹے کو کہتے ہیں جو انسان میں چبھ کر اسے ہمیشہ تکلیف دیتا ہے۔ کھیلتے ہوئے تمہارے پاؤں میں کئی بار کانٹا چبھا ہوگا۔ اور تم نے محسوس کیا ہوگا جب تم چلتے ہو تو کانٹا تمہیں تکلیف دیتا ہے۔ اور اگر نہ چلو اور پاؤں کو ہوا میں لٹکا رکھو تو یہ کانٹا کوئی تکلیف نہیں دیتا۔ بس یہی حال آتما کا ہے۔ روح بھی آدمی کو اسی وقت پریشان کرتی ہے جب وہ کوئی کام کرنے لگے۔ چلے یا کوئی حرکت کرے۔ ہاں اگر انسان ہوا میں لٹکا ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتا اسے کسی طرح کا دکھ نہیں ستاتا۔

پچھلے زمانے میں انسان کو اس کی روح بہت پریشان کرتی تھی اور ہزار بار نکالنے کے وجود بھی یہ کانٹا نہیں نکلتا تھا۔ لیکن آج کل کے زمانے میں سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ یہ روح کا آپریشن ہو سکتا ہے اس لئے اب اپنڈے سائٹس کی فالتو آنت کی طرح روح کا کانٹا بھی آپریشن کے ذریعہ انسان کے اندر سے نکال دیا جاتا ہے۔ آجکل تمہیں سو میں سے ننانوے آدمی ایسے ملیں گے جن کے اندر روح نہیں ہے۔ میں نے بھی کافی دن ہوئے

یہ آپریشن کرالیا تھا۔ اب مجھے کسی طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔ بچو۔ تم بڑے ہوتے تو تمہاری روح کا بھی آپریشن کیا جائے گا۔ چھوٹی عمر کے بچوں پر یہ آپریشن نہیں ہوسکتا اس لئے کہو آ سے آتما!

(ک) ای ـــ انسان

بچو! ہم سب انسان ہیں۔ انسانوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ چھوٹے انسان اور بڑے انسان۔ چھوٹے وہ ہوتے ہیں جو چکی چلاتے ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں، ریل گاڑیاں چلاتے ہیں اور زمین کے اندر گھس کر کوئلہ، نمک، سونا، چاندی، لوہا نکالتے ہیں۔ یہ سب چھوٹے انسان کہلاتے ہیں

دوسری قسم بڑے انسانوں کی ہے۔ بڑے انسان وہ ہوتے ہیں جو چھوٹے انسانوں کو انسان نہ سمجھیں۔

انسان کی ایک تعریف یہ ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ سارے جانوروں سے اچھا جانور انسان ہے اور سارے انسانوں میں سے اچھے انسان انگلینڈ کے رہنے والے ہیں۔ انگلینڈ بھی ای (ک) سے بنتا ہے اس لئے وہاں کے رہنے والے بھی انسان ہیں اگرچہ لوگ انہیں ایشور (اللہ) سمجھتے ہیں۔

بچو! انگریز تم نے اکثر دیکھا ہوگا۔ انگریز کی چمڑی سفید ہوتی ہے۔ تمہارا رنگ کالا ہے، بھورا ہے، گیہواں ہے۔ لیکن سفید نہیں۔ سفید رنگ امریکیوں کا بھی ہوتا انگریز اور امریکی بھائی بھائی ہے اور دنیا کے رنگ دار چمڑی والوں کو چھوٹے انسان کا ان کو حق ہے

ای سے اتفاق بھی بنتا ہے لیکن چونکہ ہندوستان میں یہ نہیں ہوتا اس لئے اس قاعدے میں اس کا ذکر نہیں آئے گا۔ بچو! موجودہ زمانہ میں۔ انسانوں کی اس دنیا میں۔ اپنی ہستی کو یاد رکھو اور کہو ای ــــ انسان!

(۲) ای ــــ ایمانداری

بچو! ایمانداری اور سچائی انسانوں کی سب سے بڑی اچھائی ہے۔ تم نے جارج واشنگٹن کی کہانی ضرور سنی ہوگی جس نے اپنے بچپن کے دنوں میں کلہاڑی سے اپنے باپ کا ایک پیڑ کاٹ ڈالا تھا۔ جب اُس کے باپ نے اس سے ڈانٹ کر پوچھا کہ یہ پیڑ کس نے کاٹا ہے تو اس نے ایمانداری اور سچائی سے اقرار کر لیا کہتے ہیں اس پر اس کا باپ بہت خوش ہوا اور اس نے پیشینگوئی کی کہ جارج آگے چل کر بہت بڑا آدمی بنے۔ ہوا بھی یہی۔ ایمانداری برتتے برتتے جارج واشنگٹن ایک دن امریکہ کا صدر بن گیا۔

اس واقعہ کے بعد دنیا کے ہر بڑے آدمی نے یہ اصول اپنا لیا کہ وہ بچپن سے ہی ایمانداری سیکھ لیتا ہے اور پیڑ کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قیصر ولیم پیڑ کاٹنے کا بہت شائق تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس کو ڈانٹنے والا کوئی نہ تھا۔ اس لئے سے ایمانداری دکھانے کا کوئی موقعہ نہ تھا اور وہ پہلی عالمی جنگ ہار گیا۔ اور سنا ہے کہ انگلینڈ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل بھی سچ بولنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں اتنے پیڑ کاٹ لئے کہ کئی جنگل کے جنگل ہی اجاڑ دیئے۔ اس طرح یورپ کے ایک بہت بڑے آدمی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے سچ بولنے

کی خاطر درخت کے علاوہ ایک آدمی کا گلا بھی کاٹ ڈالا تھا اور اس کے باپ نے خوش ہو کر اس کو اسی وقت معاف کر دیا تھا

میں نے یہ کہانیاں تیسری کلاس میں پڑھی تھیں - ان دنوں مجھے بھی ایماندار دکھانے کا شوق چرایا - اس لئے ایک دن موقعہ پا کر میں نے کلہاڑی ہاتھ میں لی اور اپنے گھر کے آس پاس جتنے پیڑ تھے سب کاٹ ڈالے - گلاب کی جھاڑیاں انگور کی بیلیں - پھولوں کی قطاریں - سب اکھاڑ دیں - حالت یہ ہو گئی کہ شام کو جب قبلہ والد صاحب دفتر سے لوٹے تو گھر بھی نہ پہچان سکے - میں نے انہیں حیران اور پریشان دیکھ کر بہت اطمینان سے کہا ـــ آیئے، آیئے ! پریشان کیوں ہوتے ہیں ؟ آپ ہی کا گھر ہے - اس پر والد صاحب مجھ سے کچھ نہ بولے، مڑ مڑ باغیچہ کی طرف دیکھتے رہے - میں نے کہا ـــ آپ اس طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہیں ؟ پتا جی، سچ بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے - وہ جارج واشنگٹن والی گھٹنا - - - - - - - - لیکن اس کے بعد والد صاحب نے مجھے بولنے نہیں دیا اور ایک کٹے ہوئے درخت کا تنا اٹھا کر میری جو مرمت کی تو - - - - - - خیر میں جارج واشنگٹن نہ بنا، اسکول ماسٹر تو بن ہی گیا - یہ دوسری بات ہے کہ اس دن سے میری داہنی ٹانگ لنگڑی ہو گئی اور بائیں بازو کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی

تو بچو! کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چاہے ٹانگ لنگڑی ہو جائے، چاہے بازو ٹوٹ جائے، چاہے جان چلی جائے - لیکن ایمانداری اور سچائی کو ہمیشہ پیار ہمیشہ سچ بولو - بلکہ پہلے بات کو تولو پھر سچ بولو اور کہو -

اسی سے ایمانداری -

آ ـــــ آخرت

بچو تم آخرت یعنی موت سے ڈرتے ہو کیا؟ لیکن آخرت سے کسی کو نہ تو ڈرنا چاہیئے صرف زندگی سے ڈرنا چاہیئے۔ زندگی بڑی خطرناک اور خونخوار موت آرام و آسائش دینے والی ہے۔ بچو ابھی تم زندگی کی پہلی منزل پر ہو اور تمہیں اسکول سے، اسکول ماسٹر سے، قاعدہ سے، مانیٹر سے، یعنی ہر چیز سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن ابھی تو یہ زندگی کی پہلی منزل ہے جیسے جیسے زندگی بڑھتی جائے گی تمہارے ڈر میں تمہاری مصیبتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اب تم کھل کر ہنستے ہو پھر ڈر کر ہنسو گے۔ تمہیں خدا کا بھی خوف نہیں ہے۔ پھر تم ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی ڈرو گے۔ مندر اور مسجد سے ڈرو گے اور یہ ڈر بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ تم بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک ترقی کرتے ہوئے موت کی گود میں سو جاؤ گے۔ لیکن جب تک زندہ رہو گے ڈرتے رہو گے۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے ہمارے سماج کی نیم، زندگی کی نیم، اس دنیا کی نیم جس میں ہم رہتے ہیں ڈر پر تعمیر کی ہے۔ محبت پر نہیں۔ محنت پر نہیں۔ صرف ڈر پر۔ یہاں موت نہیں بلکہ زندگی خطرناک ہے۔

بچو جرمن کے مشہور شاعر ریلکے نے ایک بار خدا سے دعا کی میں تجھ سے اپنی مرضی کے مطابق زندگی نہیں مانگتا۔ میں تجھ سے صرف موت مانگتا ہوں اپنی مرضی کے مطابق موت۔

آؤ بچو ہم بھی یہی دعا کریں کیونکہ مر جانے کے بعد یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ

زندگی کیسے گزری بلکہ یہ کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی۔ اس لئے کہو آ- سے آدم

ک ـــــ کتا

بچو- کتا بڑا وفادار جانور ہے- یہ گھر میں دن بھر زنجیر سے بندھا رہتا ہے اور مہمانوں کو دیکھ دیکھ کر غراتا ہے- جب گھر میں مہمان نہ ہوں تو زنجیر سے بندھے بندھے سو جاتا ہے اس کے بعد خواب میں مہمانوں کو دیکھ کر غراتا ہے- بھونکتا ہے کیونکہ کتا بڑا وفادار جانور ہے اور انسان کا بہت اچھا دوست ہے- گھر کا کتا دن کو سوتا ہے اور رات کو جاگتا ہے- اور باغیچہ کی چہار دیواری کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے- وہ بجلی کے کھمبوں، پولس والوں اور چوکیداروں کو دیکھ کر بھونکتا ہے- کیونکہ بغیر اجازت اندر آنا منع ہے- کتے کو اپنی آواز بہت پیاری معلوم ہوتی ہے- وہ خود بھی سنتا ہے اور دوسروں کو بھی سناتا ہے- اس لئے گھر والے بھی تمام رات کتے کی آواز سے مسحور ہو کر میٹھی نیند سوتے ہیں۔ کتا انسان کا دوست اور وفادار جانور ہے-

گھر کا کتا تو دن کو سوتا ہے لیکن گلی کا کتا نہ دن کو سوتا ہے اور نہ رات کو اور چلا چلا کر محلے والوں کو ہر آنے والے خطرے سے آگاہ کرتا رہتا ہے- اس کی آ... اس قدر مشکوک ہوتی ہیں کہ گلی میں سے ہر گزرنے والوں کو مجرم سمجھتا ہے- یہ بھی کی وفاداری ہے- جب کتا پیار سے کاٹے تو فکر نہ کرنی چاہیئے- اسپتال میں جا کر پیٹ پر چیکے سے چودہ انجکشن لگوا لینا چاہیئے- کیونکہ کتے کی خوشی اسی میں ہے- تمہیں ا... شکاری کتے کی کہانی یاد ہوگی جس نے بھیڑیئے سے اپنے مالک کے بیٹے کی جان

تھی اس طرح کے کتے صرف کہانیوں میں پائے جاتے ہیں - عام گھروں میں جو کتے ہوتے ہیں وہ بچوں کو بھیڑیوں سے نہیں بچاتے موقع ملا تو انہیں خود کھا جاتے ہیں - اور یہ بچوں تک محدود نہیں رہتے بڑے بوڑھوں پر بھی دانت رکھتے ہیں -

مشہور کہاوت ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے - کتے کی محبت کا بھی یہی حال ہے وہ دن رات بازار گلی کوچوں میں بدنام ہوتا پھرتا ہے - کتوں کو دیکھ کر آجکل نوجوانوں نے بھی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے - کتے کے بارے میں کئی کہاوتیں مشہور ہیں - جیسے کتا کتے کا دشمن ہوتا ہے - کتا بلی کا دشمن ہے - کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا - دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا - ان تمام کہانیوں سے کتے کی ذات پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے -

کتا کسی زمانے میں بھیڑیا تھا اب صرف کتا ہے اور انسان کا وفادار دوست ہے اب اس نے جنگل چھوڑ دیا ہے - اور انسان کی خدمت کو اپنا اصول بنایا ہے - اس کے صلے میں انسان نے اس کے گلے میں زنجیر ڈال دی ہے اور اپنے برادری کے کتوں سے نفرت کرنا سکھا دیا ہے - یہی غلامی کا پہلا سبق ہے -

کتے کتے ہوتے ہیں اور کتے انسان بھی ہوتے ہیں - اور کتے ہر وقت اپنے مالک کی دی ہوئی زنجیر سے بندھے ہوئے اُف اُف کرتے ہیں اور اپنے مالک کا اشارہ پا کر دم ہلانے لگتے ہیں - ان کتوں کو گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے دئے جاتے ہیں - دودھ بھرے پیالے ان کے سامنے رکھے رہتے ہیں - چاہے دنیا کے دوسرے کتے بھوکے ہی کیوں نہ رہ جائیں - یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ان کتوں کے گلے میں مالک کے پٹے پڑے ہوتے ہیں اور ایک لمبی سنہری زنجیر ہوتی ہے -

بچو جب تم بڑے ہو تو کتے کی وفاداری کو کبھی نہ بھولنا۔ پھر ایک دن تمہیں بھی لمبی سی زنجیر مل جائے گی اور گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اور دودھ کے پیالے بیوقوف۔ آؤ بچو ہم کتے کی وفاداری کے گیت گائیں۔ اور کہیں کُ سے کتا۔

سخ ـــــ خربوزہ

بچو تم نے اکثر خربوزہ کھایا ہوگا۔ خربوزہ ھندوستان کا مشہور پھل ہے۔ ھندوستان کا ایک اور مشہور پھل ہے جیسے "پھوٹ" یعنی ھندو مسلم لڑائی کہتے ہیں۔ ھندوستان کے پھل اور میوے بہت مشہور ہیں اور وہ دور دور تک غیر ممالک میں جاتے ہیں لیکن پھوٹ سا میوہ باہر نہیں جاتا۔ انگریز اسے بالکل نہیں کھاتے۔ انگریز خربوزہ بھی نہیں کھاتے۔ کیونکہ اس سے ہیضہ پھیلنے کا ڈر ہوتا ہے۔ ھندوستان کی ہر چیز سے ہیضہ پھیل سکتا ہے۔ خربوزہ سے، ترکاری سے، دودھ سے، پانی سے، ہوا مٹی سے۔ اس دلیس کے ذرے ذرے میں ہیضہ چھپا ہوا ہے۔ اس لئے خربوزہ نہیں کھانا چاہیئے۔ خربوزہ باہر سے بڑا خوبصورت اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل پھیکا اور بیجوں سے بھرا ہوا۔ کچھ آدمی بھی خربوزے کی طرح ہوتے ہیں۔ لیکن ..... ہم انہیں خربوزہ نہیں کہتے ..... ہیں بزرگ کہتے ہیں کہ دنیا ہر ملک میں بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ لیکن جتنے خربوزہ ھندوستان میں ہوتے ہیں اور کہیں نہیں ہیں۔ خربوزہ میں ایک اور خاصیت بھی ہے وہ یہ کہ جب چھری خربوزہ پر گرتی ہے یا خربوزہ چھری پر گرتا ہے تو کٹتا خربوزہ ہی ہے۔ لیکن یہ خاصیت بڑے آدمیوں میں نہیں پائی جاتی وہ کبھی نہیں کٹتے۔ ہمیشہ دو

کو کڑوا تے ہیں۔ اس لئے کہو خ سے خربوزہ۔

گ ـــــ گالی۔

بچو تمہیں گالی دینا پسند ہے نا۔ اب ت ث سیکھنے سے بہت پہلے تم گالی دینا سیکھ جاتے ہو۔ میں نے تمہیں کھیل کے میدان میں گالی دیتے اکثر سنا ہے۔ تم گالی بک کر بہت خوش ہوتے ہو۔ خاص کر ماں بہن کی گالی۔

—— لیکن بچو اگر تم ذرا بھی سوچو تو ماں بہن کی گالی کوئی گالی نہیں ہے۔ اس گالی سے تمہاری وہ دلچسپی معلوم ہوتی ہے جو تمہیں اپنے سے مخالف ''سیکس'' میں ہے۔ اب ت ث سیکھنے سے پہلے ہی تم یہ بات جان لیتے ہو کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکے لڑکیوں کو اور لڑکیاں لڑکوں کو پسند کرتی ہیں اور جب یہ لڑکے اور لڑکیاں جوان ہوتی ہیں تو ایک دوسرے سے شادی بیاہ کرتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جس کی تم گالی دیتے ہو۔ بھلا اس گالی میں کیا بری بات ہے؟ اگر یہ گالی ہے تو خود تم ایک گالی ہو۔ تمہارا پیدائش گالی ہے تمہاری زندگی گالی ہے کیونکہ اس گالی کی وجہ سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے جنے گئے ہو۔ تم آسمان سے نہیں گرے۔ نہ تم پریوں کے دیش سے آئے ہو۔ نہ تم سارس کی چونچ سے نکلے ہو۔ یہ کہانیاں تمہاری اوقات چھپانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ اصل میں تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو۔ جس طرح خوبصورت بلی اور بلے کے بچے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ تم دکھ درد مصیبت کی اولاد ہو۔ اس لئے تم اس قدر معصوم اور بھولے ہو۔ میں نے آج تک کسی خوبصورت بلی کے بچے کو ماں بہن کی گالی

دیتے ہوئے نہیں سنا۔ پھر تم انسان کے بچے ہو کر کیوں گالی دے کر ایک فخر محسوس کرتے ہو؟

بچو! ماں بہن کی گالی کوئی گالی نہیں ہے۔ جب تمہیں کوئی ایسی گالی دے تو تم چپ ہو جاؤ۔ مسکرا کر گالی دینے والے کو سمجھاؤ کہ یہ گالی نہیں ہے۔ یہ تو اپنا منہ چڑانا ہے اپنے آپ کو تھوکنا ہے۔

گالی وہ ہوتی ہے جب ایک انسان دوسرے انسان کو بھوکا رکھتا ہے۔ گالی وہ ہوتی ہے جب تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جائے۔ گالی وہ ہوتی ہے جو تم سے پیار محبت اور مسکراہٹ سے غلط کام نکلوائے ایسی حالت ایک سخت گالی ہوتی ہے اسے گالی دو جو تمہیں اپنے برابر کا نہ سمجھے جو تمہیں غلام بنانا چاہے جو تمہارے گلے میں زنجیر اور پٹہ ڈالنا چاہے جو وفاداری پر بیٹھ کر تھوکنا چاہے۔ تمہیں یتیم خانہ میں رکھ کر چندہ وصول کرے تمہیں بازار میں بیچنا چاہے۔ تمہاری آزادی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہے

اس وقت گالی دو اور ضرور گالی دو۔ میں گالی کو برا نہیں سمجھتا۔ لیکن سچی گالی دو۔ جھوٹی گالی دینے سے ہمیشہ بچو اور رکھو گ سے گالی۔

گھ ـــــ گھر

گھر چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنا گھر بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ کیونکہ گھر میں ماں باپ ہوتے ہیں۔ بھائی بہن ہوتے ہیں ان سب کا پیار ہوتا ہے۔ جو گھر سے باہر کسی قیمت پر نہیں مل سکتا۔ اس لئے سب بچے گھر کو بہت پسند کرتے ہیں۔

لیکن کچھ بچوں کے پاس گھر نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ماں باپ کے پاس بھی گھر نہیں ہوتا۔ یہ بچے درختوں کے نیچے سوتے ہیں فٹ پاتھوں پر لیٹتے ہیں۔ یا کسی ٹوٹی پلیا کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے بھی بچے ہوتے ہیں جو ہوتے تو اکیلے ہیں لیکن ان کے لئے گھر میں دس کمرے ہوتے ہیں جن میں پچاس بچے آسانی سے رہ سکتے ہیں۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بچے کے پاس ایک گھر بھی نہیں ہوتا اور کسی بچے کے پاس بہت سے گھر ہوتے ہیں۔ جس میں اس بچے کے ماں باپ کبھی کبھی رہتے ہیں۔ ایک گھر سردیوں میں رہنے کے لئے ایک گھر گرمیوں میں رہنے کے لئے۔ ایک گھر موسم بہار کے لئے۔ ایک گھر موسم خزاں کے لئے۔ ایک گھر شادی بیاہ کیلئے۔ ایک گھر میں سامان بند رہتا ہے۔ ایک گھر میں الو بولتے ہیں اگر چہ یہاں بچوں کو چہکنا چاہیئے۔ اور جو بچے ٹوٹی پلیا کے نیچے یا فٹ پاتھ پر رہتے ہیں ان کو بے خالق گھر مل جانا چاہیئں۔ کیونکہ دنیا کے ہر بچے کو پیار کی ضرورت ہے۔

کبھی کبھی اچھے لیسے لپائے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ بچہ دیکھتا ہے کہ اس کا باپ صبح سے شام تک گھر پر نہیں رہتا کیونکہ اس کے پاس کام نہیں ہے۔ پھر ایک دن بچہ دیکھتا ہے کہ اس کے باپ کے پاس اسکول کی فیس نہیں ہے اور اب بچہ اسکول نہیں جا سکتا۔ پھر ایک گھر میں کھانا نہیں پکتا۔ پھر ایک دن کچھ سپاہی آتے ہیں اور بچے کو اس کے ماں باپ کے ساتھ ان کا اسباب باہر پھینک کر نکال دیتے ہیں اور بچے کا گھر چھن جاتا ہے۔

ہمارے نئے اصول کے مطابق کوئی بسے ہوئے گھر کو بچے سے نہیں چھین

سکے گا۔ کوئی اس کی کتابیں باہر نہیں پھینک سکے گا۔ اس کے کھلونے اس کے گھر میں رہیں گے وہ گلی کی نالی میں بہائے نہیں جائیں گے۔

لیکن ہمیشہ سیاہ ہیولا کے آنے سے گھر برباد نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ایک نہیں لاکھوں گھر دیکھتے دیکھتے ہی برباد ہو جاتے ہیں۔ بچو! تم نے بہت گھروں کو جلتے دیکھا ہوگا۔ کبھی کبھی گھر کو اپنے ہی چراغ سے آگ لگ جاتی ہے۔ جیسا آج کل ہمارے ملک میں ہو رہا ہے۔ کبھی کبھی یہ آگ آسمان سے برستی ہے جیسے پچھلی لڑائی میں ناگاساکی اور ہیروشیما میں ہوا تھا۔ آسمان سے ایک ایٹم بم گرا اور گرتے ہی لاکھوں گھروں کو برباد کر دیا۔

اس لئے بچو! اپنے گھروں کی حفاظت کرو۔ اور اس آگ سے ہمیشہ بچو جو ایک منٹ میں لاکھوں گھروں کو برباد کر دیتی ہے۔ جس سے ہمارا گھر، تمہارا گھر دنیا کے لاکھوں بچوں کے لاکھوں گھر ایٹم بم کے دھماکے سے گر جاتے ہیں اس لئے

کھو گھ سے گھر

چ ــــــ چور

بچو! چور وہ ہوتا ہے جو تمہاری چیز چرا کر لے جائے جس طرح چوہے طاق پر سے تمہاری مٹھائی لے جاتے ہیں لیکن چور صرف چوہے ہی نہیں ہوتے بلکہ انسان بھی چور ہوتے ہیں۔ چوہے اور انسان اس لئے چوری کرتے ہیں کہ ان کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی جس کی وہ چوری کرتے ہیں جو دوسروں کے پاس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر چوہوں کے پاس مٹھائی ہوتی تو وہ کیوں تمہاری مٹھائی چراتے۔؟ ہرگز نہیں۔

یہی حال انسانوں کا ہے - وہ بھی ایک طرح کے چور ہیں اور وہی چیز چراتے ہیں - جو ان کے پاس نہیں ہوتی چور چوری جب کرتے ہیں جب وہ بھوکے ہوتے ہیں، ننگے ہوتے ہیں، یا غریب ہوتے ہیں- چوروں سے ہمیشہ بچنا چاہیئے- چوہوں سے بھی بچنا چاہیئے- کیونکہ ان سے پلیگ پھیلتا ہے- چوہوں کو بلی کھاتی ہے اور چوروں کو حکومت - لیکن کبھی کبھی حکومت چوروں کی مدد کرتی ہے یا خود چور بن جاتی ہے اور لوگوں کی چیزیں چرا لیتی ہے- جب تم دیکھتے ہو کہ رام پھٹے کپڑے پہنے اسکول آتا ہے اور موہن ریشم کی پوشاک پہن کر- جب دیکھو کہ گوردیال شہد اور مکھن سے ناشتہ کرتا ہے اور چنتو کے پاس سوکھی روٹی کھانے کو نہیں- جب دیکھو کہ ہرنیش کی آنکھیں کنول کی طرح کھلی ہیں- بالوں میں خوشبودار تیل لگا یا ہوا ہے- اور منو کی آنکھیں لال لال ہیں- ہونٹوں پر افسوس اور نا امیدی کی پپڑیاں جمی ہیں اور آنسوؤں کی بوندیں اس کی بڑی بڑی، سہمی سہمی، حیران حیران، پتلیوں پر جھلک رہی ہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ حکومت خود چور ہے یا چوروں سے ملی ہوئی ہے- ایسی حالت میں ملک کی ساری دولت سب میں برابر بانٹ دینی چاہیئے- تاکہ کوئی کچھ چرا ہی نہ سکے- نہ حکومت رہے اور نہ چور- کیوں کہ جہاں چوہے رہتے ہونگے وہاں بلی بھی رہتی ہوگی اور جہاں چور رہیں وہاں حکومت بھی ہوگی- اس لئے کہو چ سے چور-

چھ ——— چھڑی

گروجی کی چھڑی سے سب بچے ڈرتے ہیں- اس کا مزہ سب نے دیکھا ہے- میں نے بھی چکھا ہے- جب میں سبق بھول جاتا ہوں تو گروجی کی چھڑی

چلتی ہے اور کبھی کبھی فرنٹیئر میل سے بھی تیز چلتی ہے - اس لئے چھڑی نے ہمیں بہت سے سبق سکھائے - اور یاد کرائے - مثال کے طور پر اس چھڑی نے ہمیں یاد کروایا کہ انگریزی حکومت کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا - لیکن آج وہ سورج ڈوب چکا ہے -

اس چھڑی نے ہمیں یہ سکھایا کہ اگر ایک بنیا ایک کسان کو فصل کے وقت دس روپیہ ادھار دیتا ہے تو دس سال میں اس کی کتنی زمین قرق ہو سکتی ہے - آج اس چھڑی کی بدولت کسان بیاج دینے سے اور زمین قرق کرانے سے انکار کر رہا ہے اور بنیئے کا سارا حساب بگڑتا جا رہا ہے - پرانا حساب جا رہا ہے - نیا حساب آ رہا ہے جس پر بنیئے کے بیاج پر بیاج کی کوئی انتہا نہیں -

چھڑی کے حساب سے اگر ایک آدمی کماری آنتریب سے مدراس جائے تو تین سال میں پہونچے گا (اگر راستے میں انتقال نہ کر گیا ہو تو) نئے حساب سے وہ تین دن میں پہونچتا ہے اور جب تک یہ نیا اصول آپ تک پہونچے گا یہ وقت اور بھی گھٹ جائے گا -

چھڑی کے جغرافیہ کے حساب سے سائبیریا میں گیہوں پیدا نہیں ہو سکتا تھا لیکن آج کا نیا اصول سائبیریا کے برفیلے میدان میں گیہوں تو کیا گوبھی، مٹر، آلو سب کچھ پیدا کر رہا ہے -

چھڑی کے تاریخ کے حساب سے وہ حکومت سب سے بڑی سمجھی جاتی تھی جس کے پاس سب سے لمبی توپ ہوتی تھی - نئے اصول کے حساب سے وہ حکومت سب سے زیادہ بڑی سمجھی جاتی ہے جس کے پاس سب سے زائد فاختائیں ہوں -

بچو تم نے وہ کہانی بھی سنی ہوگی جس میں ایک شکاری نے جال پھینک کر سب سے زائد کبوتر پکڑے تھے۔ پھر وہ سارے کبوتر متحد ہوئے اور اپنے پروں کا زور لگا کر جال سمیت اڑ گئے تھے۔ اور شکاری کی پہونچ سے باہر چلے گئے۔

بچوں ہمارا نیا اصول شکاریوں کے لئے نہیں ہے بھولے بھالے کبوتروں کے اتفاق کیلئے ہے۔ آج شکاری بیچارہ منہ تاک رہا ہے اور کبوتر آسمان پر جال سمیت اڑے جا رہے ہیں۔

— نئے اصول کے گرو جی بھی نئے ہیں وہ بچوں کو چھڑی سے نہیں مارتے، انہیں پھول چڑھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ چھڑی کا سبق بھلایا جاسکتا ہے لیکن پھولوں کا سبق کوئی نہیں بھول سکتا۔ اس لئے آنے والی زندگی کا انتظار کرو اور کھو چھ سے چھڑی۔

ز ——— زمین

بچو تم اس وقت زمین پر بیٹھے ہو۔ اگر تم اس وقت ہوائی جہاز میں ہوتے۔ تو میں کہتا کہ تم ہوا میں اڑ رہے ہو۔ خیر! بچو یاد رکھو۔ زمین بڑے کام کی چیز ہے زمین سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ کاشتکار لگان ادا کرسکیں۔ زمین سے سونا نکلتا ہے تاکہ مالدار حکومت کرسکیں۔ زمین سے لوہا نکلتا ہے تاکہ جنگ کے لئے توپیں اور بندوقیں بن سکیں۔ زمین سے مٹی نکلتی ہے تاکہ ہماری تمہاری قبریں بن سکیں۔ اور سب سے بڑھکر زمین کا فائدہ یہ ہے کہ وہ گول ہے۔ اوپر نیچے دائیں، بائیں، ہر طرف سے گول ہے۔ جدھر سے بھی دیکھو اور اگر نہ بھی دیکھو

تو بھی گول ہے

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ زمین ہے - چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ زر، زن، زمین، ان تینوں میں "ز" ہے اور ان تینوں ہی کی وجہ سے دنیا میں لڑائی ہوتی ہے اور جھگڑے پھیلتے ہیں - میں ان لوگوں سے متفق نہیں ہوں کہ ان تینوں چیزوں سے کوئی بھی بری نہیں ہے - بری چیز تو وہ ہے جو ایک عرصے سے انسان کے دماغ میں بس گئی ہے - "تفع" اگر یہ دور ہو جائے تو دنیا میں ہر طرف ہریالی دکھائی دے اور یہ خوبصورت زمین خوشی سے ناچتے ناچتے ~~اور~~ گول ہو جائے بلکہ گول مٹول ہو جائے اس لئے کہو ز سے زمین -

جھ ــــــ جھگڑا

بچو، جھگڑا وہ ہے جو ابھی کچھ سال ہوئے ختم ہوا ہے اور اب پھر اس کی تیاری ہو رہی ہے - جب لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تو اسے امن کا زمانہ کہتے ہیں امن کے خواب دیکھتے ہیں - پہلے جھگڑا اکے دکے آدمیوں میں ہوا کرتا تھا - پھر قبیلوں کے درمیان ہونے لگا - پھر بادشاہوں میں ہونے لگا - اور اب ملکوں اور ذاتوں پر جھگڑا ہوتا ہے - لیکن جواب وہی ہوتا ہے یعنی لوگ مرتے ہیں - عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں - خون کی ندیاں بہتی ہیں اور آخر میں انصاف جیت جاتا ہے - جب سے دنیا میں لڑائی جھگڑے ہوئے ہیں ایمانداری اور سچائی کی جیت ہوئی - اس سے قبل کی لڑائی میں بھی ایمانداری اور سچائی جیتی تھی - آخر میں ایک دن وہ آئے گا جب دنیا میں آدمی نہ رہے گا صرف ایماندار

اور سچائی رہ جائے گی۔ اور یہ ہی لڑائی جھگڑے کی سب سے بڑی خوبی ہے اس لئے کہو جھ سے جھگڑا

ٹ ــــ ٹامی

بچو ٹامی عام طور سے انگریز سپاہیوں کو کہتے ہیں۔ یہ سپاہی انگلستان سے آیا اور ایک صدی ہندوستان رہ کر پھر ولایت لوٹ گیا۔ سپاہی تو ہندوستانی بھی ہوتے ہیں لیکن وہ ٹامی نہیں ہوتے۔ ٹامی اور ہندوستانی سپاہی میں یہ فرق تھا کہ ٹامی سفید ہوتا تھا اور ہندوستانی کالا۔ ٹامی کو تقریباً ۵۰ روپیہ تنخواہ ملتی تھی اور ہندوستانی کو تیس روپیے۔ ٹامی کی ضروریات زندگی ہمیشہ زائد رہیں اور ہندوستانی سپاہی کی کم۔ ہندوستانی سپاہی نے بھی اپنی ضروریات زندگی بڑھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے اس کی تنخواہ نہیں بڑھی۔ تب اس نے ڈانٹ ڈپٹ کر کہا تو یہ ملک چھوڑ جس سے میری تنخواہ بھی بڑھ جائے۔ میں نے بہت صبر کیا ہے۔ تم بھی ہندوستانی سپاہی کی طرح صبر کرنا سیکھو اور کہو ٹ سے ٹامی

ٹھ ــــ ٹھٹھول

بچو ٹھٹھول اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو ہنسائے۔ آدمی دوسروں کی تکلیف پہ ہنستا ہے اس لئے سب سے اچھا ٹھٹھول وہ ہے جو دوسروں کو تکلیف دے۔ بچو یاد رکھو جانوروں میں انسان ہی ایسا جانور ہے جو دوسروں پر ہنستا ہے۔ اور کسی جانور کو ہنسی نہیں آتا۔ کیونکہ وہ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے

انسان کو افضل کہا جاتا ہے۔

بچو تم نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی کیلے کے چھلکے پر سے پھسلتا ہے تو کتنی ہنسی آتی ہے۔ جب کوئی بازار میں ٹکرا کر گر پڑتا ہے تو ہم ہنستے ہیں۔ اس دن سکول کے باہر آلو چھولے بیچنے والے کی ٹوکری گندی نالی میں پھینکدی تھی تو تم سب بچے کس طرح ٹھٹھے مار مار کر ہنس رہے تھے۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم سب انسان کے بچے ہو جانور کے نہیں۔

ہنسنا انسان کے لئے بہت ضروری ہے اس لئے رومن لوگ آدمیوں کو شیروں سے پھڑوا کر بہت خوش ہوتے تھے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ آجکل لوگ آدمیوں کو شیروں سے پھڑوا کر نہیں ہنستے بلکہ توپ سے اُڑا کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں غلامی کی زنجیر ڈال کر ٹھٹھے لگاتے ہیں۔ بچو اگر تم بھی بڑے آدمی بننا چاہتے ہو تو دوسروں کو تکلیف میں ڈال کر خوب ہنسو۔ ٹھٹھے لگاؤ۔ دوسروں کو ہنساؤ اور کہو ٹھٹھا سے ٹھٹھا۔

ڈ ——— ڈاکو

بچو ڈاکو چور کا بڑا بھائی ہوتا ہے۔ اور بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ تمہارا بڑا بھائی تم سے کس طرح کھلونے چھین کر چلا جاتا ہے اور تم روتے رہ جاتے ہو۔ اس وقت تم سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمہارا بڑا بھائی تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہ بڑا ہے اور تم چھوٹے ہو۔ یہی حال ڈاکو کا ہے۔ وہ بھی اپنے سے چھوٹے اور کمزور آدمی پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور اس

سب کچھ چھین لیتا ہے۔

جب ایک انسان ایسا کرتا ہے تو ہم اسے ڈاکو کہتے ہیں۔ اور جب دو ملکر ایسا کرتے ہیں تو ہم اسے قبیلہ کہتے ہیں۔ جب تین انسان ایسا کرتے ہیں تو ہم اسے جاگیردار کہتے ہیں۔ اور جب چار مل کر کرتے ہیں تو اسے سامراج کہتے ہیں۔ اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جب انسان ڈاکہ ڈالتا ہے تو ہم اسے پھانسی کی سزا دیتے ہیں۔ لیکن جب چار آدمی مل کر یہ کام کرتے ہیں تو انہیں خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ قوم انہیں اپنا ہیرو سمجھتی ہے ~~اور~~ پوجتی ہے۔ سینکڑوں برسوں تک ان کا نام روشن رہتا ہے ان کے بیٹوں جاگیریں دی جاتی ہیں۔ اور وہ لوگ بادشاہ بنا دئے جاتے ہیں اور ان کو خدا کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ رام۔ رام۔ زمانے کو کیسی ہوا لگ گئی ہے۔ بچو۔ ان ڈاکوؤں ہمیشہ بچو اور دنیا کی طاقت کو آپس میں بانٹ لو۔ تاکہ کوئی زبردست نہ رہے۔ کوئی ۔ور نہ رہے۔ جب تک ایسا نہ ہو پرائمر پڑھتے جاؤ اور کہو ڈ سے ڈاکو

ڈھ ——— ڈھیر

بچو بہت سی چیزیں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں تو اسے ڈھیر کہتے ہیں۔ جنگل بھی ی۔ ح کا ڈھیر ہوتا ہے درختوں کا۔ سکول بھی ایک طرح سے ڈھیر ہوتا ہے ں کا۔ پرانے زمانے میں حکومت کی طرف سے اناج کا ڈھیر رکھا جاتا تھا تاکہ کے دنوں میں لوگوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ مغل بادشاہوں کے زمانے میں اناج کے بڑے بڑے ڈھیر رکھے جاتے تھے جس میں ہر سال نیا اناج بھرا جاتا ۔ آجکل حکومت گودام بناتی ہے۔ لیکن اس میں نیا اناج نہیں بھرا جاتا۔ ان میں ردی

اور نوٹوں کے ڈھیر رکھے جاتے ہیں۔ان ڈھیروں کو لوگ بینک کے نام سے پکارتے ہیں۔ قحط کے دنوں میں اناج کے بدلے روپے اور نوٹ بانٹے جاتے ہیں

روپیہ چاندی کا ہوتا ہے اور نوٹ کاغذ کا۔اور یہ دونوں چیزیں کھانے میں اچھی نہیں۔ابھی کچھ سال ہوئے بنگال میں قحط پڑا تھا۔اور لاکھوں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ساہوکاروں نے اناج کا ذخیرہ چھپا لیا تھا۔اگر اس وقت حکومت کے پاس اناج کے ڈھیر ہوتے تو حکومت فوراً اناج نکال کر عوام میں تقسیم کرتی۔لیکن ایسا نہ ہو سکا۔شاید اب لوگوں کو عقل آ جائے اور شاید گلے گاؤں اناج کے ڈھیر قائم ہو جائیں۔

انگلستان ایک جزیرہ ہے۔لیکن ہندوستان ایک ڈھیر ہے بلبلوں کا

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہندوستان میں پچاس کروڑ بلبلیں رہتی ہیں۔ایسی زرد تی لبورتی فاقہ کرتی بلبلیں دنیا کے کسی اور حصے میں موجود نہیں۔صرف ہندوستان ہی ان بلبلوں کا دیس ہے۔اس کے ساتھ ساتھ غلامی، بے ایمانی، ناانصافی، ناامیدی۔ اس لئے کہو ڈھیر سے ڈھیر

ط ـــــ طوطا

بچو طوطا اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کا سدھایا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہی کہتا ہے جو اس کا مالک اس سے کہلوانا چاہتا ہے۔تم نے اکثر ایسے طوطے دیکھے ہوں

یہ ہر جگہ ہر ملک اور ہر ذات میں پائے جاتے ہیں۔ اور دفتر، جلسوں، اسمبلیوں، گھروں میں اپنے مالک کے رٹائے ہوئے جملے استعمال کرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو دنیا میں انہیں طوطوں کی حکومت ہے۔

مالک ہمیشہ ان طوطوں کو اپنے پنجرے میں بند رکھتا ہے اور انہیں بڑے پیار سے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا ہے کیونکہ طوطا بڑا وفادار ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک کے رٹائے جملوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بولتا۔

— طوطا ایک قسم کی چڑیا بھی ہے اس کا رنگ ہرا چونچ مڑی ہوئی اور زبان چمچے کی طرح ہوتی ہے۔ وہ بھی پنجرے میں رہنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے مالک کے یاد کرائے ہوئے جملے دھرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے لوگ اسے بھی طوطا کہتے ہیں۔ پھر بھی جانور طوطا انسان طوطے سے کم آنکھیں بدلنے والا ہوتا ہے اس لئے طوطا جانور کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی بس کہو طے سے طوطا۔

تھیلی ——— ستھیلی

جیسے بلیاں کالی ہوتی ہیں اور سفید بھی ہوتی ہیں اسی طرح تھیلیاں بھی کالی اور سفید ہوتی ہیں۔ لیکن آج کل سفید تھیلی کم دکھائی دیتی ہے اور کالی تھیلیاں بہت پائی جاتی ہیں۔ کالی اور سفید تھیلی کی پہچان یہ ہے کہ کالی تھیلی بھاری ہوتی ہے اور سفید تھیلی ہلکی۔ کبھی کبھی ان میں چھید ہوتا ہے۔ جس سے جتنے روپئے ڈالو سب غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن کالی تھیلی میں چھید نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں چھید کے بجائے خانے ہوتے ہیں جن میں روپئے ڈالو اور اندر ہی اندر جمع ہوتے جاتے ہیں۔

اور اس کا وزن بڑھتا چلا جاتا ہے۔

کالی تھیلی کا بھاؤ لڑائی کے بعد سے بہت بڑھ گیا ہے اور یہ تھیلی اب بہت اونچے اونچے مقامات پر دکھائی دینے لگی ہے۔ جہاں پر پہلے صرف تھیلی دکھائی دیتی تھی کچھ لوگ سفید تھیلی میں کالی تھیلی چھپا کر رکھتے تھے۔ یعنی مذہب کی آڑ میں دولت لوٹتے تھے۔

ایسے لوگوں کو ہماری زبان میں "تھیلی باز" کہتے تھے۔ جو جتنا بڑا تھیلی باز ہوگا اس کی تھیلی باہر سے اتنی ہی سفید اور اندر سے اتنی ہی کالی ہوگی۔ —— سفید تھیلی دن کو نکالتے ہیں جبکہ کالی تھیلی رات کے اندھیرے میں دکھائی دیتی ہے۔ سفید تھیلی محنت کرنے والے ہاتھوں میں دکھائی دیتی ہے۔ کالی تھیلی گندی الماریوں میں بند ہوتی ہے۔ سفید تھیلی میں گیہوں، چاول، شکر، کتابیں، اخبار رکھی ہوئی ملتی ہیں اور کالی تھیلی میں مذہب، ایمان، سچائی، ملک کی خدمت اور امن کے پر کٹے ہوئے رکھے ہوتے ہیں۔ سفید تھیلی میں محبت ہوتی ہے اور کالی تھیلی میں سکے ہی سکے ہوتے ہیں۔ جب یہ دنیا ہمارے اصول پر عمل کرنے لگے گی تو دنیا میں ہر طرف سفید تھیلیاں دکھائی دیں گی۔ اس لئے بچو کہو ت سے تھیلی۔

د —— دشمن

بچو دشمن بھی بنیئے اور دوکاندار کی طرح ایک قسم ہے۔ بنیا آٹا، تیل، چاول نمک بیچتا ہے اور اپنے لئے منافع حاصل کرتا ہے۔ دشمن اپنے ملک اور قوم کو بیچتا ہے اور اپنے لئے منافع حاصل کرتا ہے۔ جس طرح بنیا زیادہ سے زیادہ منا

حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اسی طرح دشمن بھی اپنی آمدنی کو بڑھانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ دنیا میں بنیئے اور زیادہ منافع کرنے والوں کو تو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بیچارے دشمن کو برا۔ حالانکہ وہ بھی ایک گناہگار ہے اور انہیں اصولوں پر عمل کرتا ہے جن پر آجکل کی دنیا کا دھندہ چلتا ہے۔ جب تک نیز لسن کے یہ اصول رہیں گے بنیئے کو اچھا اور دشمن کو برا سمجھنا بالکل ناانصافی ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ ھندوستان میں دشمن کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ جتنے غدار ھندوستان میں پیدا ہوئے دنیا کے کسی حصے میں نہیں۔ ہمارے ملک کے دشمنوں نے آج سے کئی سال پہلے ہمارے ملک کو فروخت کرنا شروع کیا تھا اور اب تک یہ دھندہ چلا آرہا ہے۔ آریہ سے لے کر فرنگی کے زمانے تک یہ ملک بکتا رہا ہے۔

ملک دشمن کی عزت اپنے ملک میں کم اور غیر ممالک میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہودیوں کی طرح ملک دشمن دنیا کے ہر حصے میں پائے جاتے ہیں اور ان کا کاروبار غیر قانونی ہے۔ غداروں کی سی بھگت مزدوری ہوتی ہے۔ مصیبت کے وقت ایک ملک کا خادم دوسرے کی مدد نہیں کرتا لیکن ایک ملک دشمن دوسرے ملک دشمن کی مدد ضرور کرتا ہے۔

بچو اگر تم عزت چاہتے ہو تو ملک کے دشمن بنو قوم کے خادم نہ بنو اور کہو د سے دشمن۔

دھ —— دھن (دولت)

بچو دھن سے ہر چیز خریدی جاتی ہے۔ تم نے یہ کتاب دھن دے کر خریدی

یہ تختی، یہ دوات، یہ کاغذ، یہ پنسل، یہ سلیٹ، یہ قلم ہر چیز دھن دے کر خریدی ہے۔ دھن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ہر چیز اس سے خرید سکتا ہے اور خدا سے لے کر خدمت گار تک اپنی پہونچ بنا لیتا ہے۔ دھن دنیا کا بادشاہ ہے گزشتہ دنوں میں دھن یا دام نہیں ہوا کرتے تھے۔ سب لوگ "بے دام" تھے بلکہ یوں کہو "لو دم" تھے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر میرے پاس چمڑہ ہے اور مجھے گیہوں اور تمہارے پاس گیہوں ہیں اور تمہیں چمڑا چاہئے تو تم مجھ سے چمڑا لیتے تھے اور تبادلے میں گیہوں دیتے تھے اور خوشی خوشی گھر چلے جاتے تھے۔ اب صورت یہ ہے کہ میں نہ تو اب تمہیں دھن کے بنا چمڑہ دے سکتا ہوں اور نہ تم گیہوں۔ اور نہ ہم خوشی خوشی گھر جا سکتے ہیں۔ کیونکہ آج کل گھر بھی دھن کے بنا نہیں ملتا۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ خوشی کا دھن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے غیر دولتمند کو یہ لفظ کہتے نہیں سنا۔ دھن کے بغیر دنیا میں خوش رہنا مشکل ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ میرے آرٹ اور ہنر کو دیکھتے تھے اور اس کے بدلے مجھے پندرہ روپے نہیں دیتے تھے بلکہ میری زندگی کی تمام مشکلات حل کر دیتے تھے۔ اب قیمت ادا کرنے کا یہ نیا طریقہ نکالا اور ساری دنیا کی خوشی کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اس سے تو شاید پہلا طریقہ ہی اچھا تھا۔ اس میں خوشی زیادہ تھی۔ آج کل قیمت زیادہ اور خوشی کم۔ پہلے دام کوڑیوں کے ہوتے تھے انہیں دام نہیں بلکہ چھدام کہتے تھے۔ پھر دام دھات سے بنائے جانے لگے۔ تانبہ، چاندی، سونا، پیتل، لوہا۔ ان سب دھاتوں سے دام تیار کئے گئے۔ آجکل دام کاغذ سے بنتے ہیں۔ دام جال کو بھی کہتے ہیں۔ اصل میں اس دام اور اس دام میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا جال

ہے - جس میں انسان کی خوشی قید کر دی جاتی ہے بچو ہم سب اس جال میں گرفتار ہیں
اس لئے کہو ڈھم سے ڈھمز -

ن ــــــ نیم (اصول)

بچو ہر کام کا ایک اصول ہوتا ہے - ڈھنگ ہوتا ہے - ڈھانچہ ہوتا ہے - قانون ہوتا ہے - اس کے بغیر دنیا میں کوئی کام پورا نہیں ہو سکتا - جو لوگ دنیا میں کوئی قانون یا اصول نہیں چاہتے انہیں ہم غیر اصولی کہتے ہیں - جو لوگ اصول اور قانون چاہتے ہیں انہیں ہم معزز کہتے ہیں - انسان ایک عزت دار آدمی ہے - لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کام ایک ہی طرح سے ہو سکتا ہے - کام کرنے کے ڈھنگ کئی ہیں - اور پھر جب کام کا اصول بدل جاتا ہے تو اس کی حالت بھی بدل جاتی ہے -

انقلاب زندہ باد کا اصول پرانے اصول سے آرہا ہے - اور پرانا اصول اس سے پرانے سے - اس لئے اگر ہم سینکڑوں سال گذشتہ کی بہتی ہوئی زندگی کی طرف لوٹ جائیں تو پتہ چلے گا کہ کچھ صدیوں کے بعد اصول بدلتا رہتا ہے اور بدلتا رہے گا - ایک دن یہ نیا اصول بھی جو آج ہم تمہیں پڑھا رہے ہیں پرانا ہو جائے گا - کیونکہ زندگی اسی کا نام ہے - اور جب زندگی بدلتی ہے تو اس کے اصول بھی بدل جاتے ہیں -

تمہاری آنکھوں کے سامنے اس وقت سماج بدل رہا ہے - اور ہماری زندگی بدل رہی ہے - چھکڑے کے بجائے ہوائی جہاز - پیڑ کی چھال کے بجائے مرسرائزڈ کپڑا ہے اور زندگی میں ایک کے بجائے سب کی حکومت ہے - اور ایک سے محبت کے بجائے

سب سے محبت ہے۔

یہ پرانا اصول نہیں ہے نیا اصول ہے یہ بدلنے والے زندگی کا اصول ہے اگر پڑھنا چاہتے ہو تو پڑھو۔ اگر جینا چاہتے ہو تو پڑھو۔ ورنہ موت اور غلامی تو قسمت میں لکھی ہوئی ہے اور تمہارے اس زندگی کے سرمائے کو کوئی تم سے چھین نہیں سکتا۔ اس لئے کہو ن سے نیتّم۔

پ ــــ پتلون

بچو۔ پ سے پتلون ہوتی ہے اور پ سے پائجامہ بھی جو تم اکثر پہنتے ہو۔ اور پ سے پنکھا بھی ہوتا ہے۔ جو تمہارے گھر میں اناج اور گنے کے بھوسے سے بنایا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب دیسی چیزیں ہیں اور کسی کام کی نہیں اس سے تمہاری سمجھ میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اس لئے پ سے پتلون ہی صحیح ہے۔

پتلون پڑھے لکھے لوگ پہنتے ہیں اور جب تم بھی پڑھنا لکھنا سیکھ جاؤ گے تو پتلون پہنا کرو گے۔ پتلون پہننے سے بدن میں چستی رہتی ہے۔ اور دماغ تیز ہوتا ہے درزی ایک پتلون اتنے وقت میں سیتا ہے جتنے وقت میں دس پائجامے تیار ہوتے ہیں۔ پتلون سینا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے اگر تمہیں پڑھ لکھ کر پتلون پہننے کا شوق ہے تو ابھی سے پ سے پتلون یاد کرنا شروع کردو۔ کیونکہ جو آدمی پتلون نہیں پہنتا وہ بیوقوف ہے۔

آدمی پتلون پہنتا ہے اور پتلون پٹی پہنتی ہے۔ جو کبھی کبھی تو آدمی کے کندھے تک جاتی ہے۔ پٹی، پتلون، پڑھنا، پائجامہ۔ یہ سب الفاظ پ سے شروع

ہوتے ہیں۔اس لئے کھوپ سے بیلون

ف ـــــــ فاقہ

بھوفاقہ ھندوستان کا من بھاتا کھاجا ہے۔جس طرح مغرب میں لوگ دن میں ایک بار مکھن، ٹوسٹ اور انڈے ضرور کھاتے ہیں اسی طرح ھندوستان میں لوگ ایک وقت کا فاقہ ضرور کرتے ہیں۔فاقہ ہمارے مذہب میں بھی شامل ہے اور یہ ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

بھوکے رہنے کے کئی فوائد ہیں۔فاقہ کرنے سے انسان کا دل ہمیشہ خدا کو یاد کرتا رہتا ہے اور کبھی شیطان کی طرف نہیں جھکتا۔بھوک بھلائی سکھاتی ہے برائی نہیں بھوکے رہنے سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔بھوک آدمی کو ہوشیار بناتی ہے سست نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ھندوستان کے کئی قوموں میں اس کا رواج ہے۔فاقے سے بدن کو بھی کئی فائدے ہیں۔اس سے بدن موٹا نہیں ہوتا اپنی اصلی حالت میں رہتا ہے۔بلکہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔بدن کی فالتو چربی گل جاتی ہے۔اور آنکھوں کی بینائی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ دن کو تارے نظر آنے لگتے ہیں۔اس کے علاوہ ہڈیوں میں بھی ایک خاص لچک پیدا ہو جاتی ہے۔گوشت سکڑتا ہے ہڈیاں پھیلتی ہیں یہاں تک کہ آدمی کچھ دنوں میں گوشت پوست کا نہیں بلکہ ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آنے لگتا ہے۔

بھوکا رہنے والوں کو (اور ھندوستان میں ہر روز کروڑوں بھوکے رہتے ہیں) پیٹ کی بیماری کم ہوتی ہے اس لئے بھوکا رہنے سے کبھی بدہضمی نہیں ہوتی پیٹ میں کیڑے نہیں پڑتے۔آنتوں میں سوجن نہیں ہوتی۔بھوکے رہنے والوں

کو پیٹ کا دھندہ کرنے کی کیا ضرورت ہے یہی وجہ ہے آج ایک بھارتی کی آمدنی نو نئے پیسے ہے

لیکن اب ہمارے ملک کے بڑے بڑے آدمیوں نے ملکر پندرہ سالہ منصوبہ بنایا ہے ہماری سرکار نے بھی پانچ سالہ منصوبہ بنایا تھا۔ جس پر عمل کرنے سے ھندوستان کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ یعنی جہاں کہ ھندوستانی ایک دن فاقہ کرتا تھا اب پانچ دن فاقہ کیا کرے گا۔ اس لئے بچو کھوف سے فاقہ

ب ـــ بچہ

بچو! تم سب بچے ہو۔ بچے وہ ہوتے ہیں جن کے ماں باپ ہوتے ہیں اور انہیں کاغذ، قلم، سلیٹ، اور تختی دے کر اسکول بھیجتے ہیں۔ لیکن کئی بچے ایسے ہوتے ہیں جن کے ماں باپ نہیں ہوتے اور وہ اسکول میں پڑھنے کو نہیں جاتے۔ لیکن ان بچوں کو ہم بچے نہیں کہتے یتیم کہتے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں تو سو میں سے نوے بچے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ لیکن ھندوستان میں سو میں سے صرف دس بچے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ باقی بچے آنگن میں گلی ڈنڈا کھیلتے ہیں۔ اس لئے انہیں یتیم کہا جاتا ہے۔

ھندوستان میں دوسرے ملکوں کی بہ نسبت بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے بھی سب سے زیادہ تعداد میں ہیں۔ لیکن زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ بچے تو بھگوان اور اللہ بھیجتا ہے اور پھر وہی انہیں واپس بلا لیتا ہے۔ یہی بائیبل میں بھی لکھا ہے۔

اس لئے کھو ب سے بچہ۔

بھ ـــ بھلائی

بھو بھلائی اس کو کہتے ہیں جو آدمی بھلا کرتا ہے لیکن اس سے فائدہ دوسرے لوگ اٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر تم اپنے گھر سے میرے لئے آٹا، چاول، نمک، تیل وغیرہ لاتے ہو تو تم بھلائی کرتے ہو اور فائدہ مجھے ہوتا ہے۔ اور ٹیچر میں ایک غریب ٹیچر ہوں۔ مجھے پندرہ روپئے تنخواہ ملتی ہے اور اس پندرہ روپیہ میں میرا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ میں زندہ رہوں اور تمہیں میری زندگی سے محبت ہے تو میرے لئے ہمیشہ ہمیشہ آٹا، چاول، نمک، تیل، لکڑی وغیرہ لاتے رہو۔ بھلائی بڑی ہی عمدہ چیز ہے اور انگریزوں نے ایک صدی سے زائد ھندوستانیوں پر بھلائی کی ہے۔ اس لئے کہو بھ سے بھلائی۔

م ـــ منتری (وزیر)

بھو منتری حکم چلاتا ہے۔ منتری ریاست کے سب آدمیوں سے بڑا ہوتا ہے اور منتری سے بڑا صرف گورنر ہوتا ہے۔ یا پریسیڈنٹ ہوتا ہے۔ یا بادشاہ ہوتا ہے۔

تم نے اکثر پریوں کی کہانی میں سنا ہوگا کہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں اور وزیر مشورے دیتے ہیں۔ گذشتہ زمانے میں بھی جبکہ پریوں کا زمانہ نہیں تھا منتری بادشاہ کو صلاح و مشورے دیتے تھے اور بادشاہ ان کے کہنے پر چلتا تھا لیکن آجکل یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ یا گورنر صلاح دیتے ہیں۔ اور منتری ان پر عمل کرتے ہیں۔

پریوں کی کہانی میں تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ منتری عقلمند ہوتے ہیں اور بادشاہ بیوقوف۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ عقلمند ہے اور منتری بیوقوف۔ لیکن آجکل بادشاہ اور منتری دونوں ہی عقلمند ہوتے ہیں۔ صرف عوام بیوقوف ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتے تو بیوقوف بنائے جاتے ہیں اور اگر پھر بھی نہ بنے تو جیل میں ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ ایسی حکومت کو جمہوری کہتے ہیں

پریوں کے زمانے میں ایک بادشاہ ہوتا تھا۔ اور ایک منتری۔ دونوں الگ رہتے تھے۔ اور دونوں کے کام بھی الگ ہوتے تھے۔ لیکن آجکل کئی ملکوں میں ایک ہی آدمی بادشاہ بھی ہوتا ہے اور منتری بھی۔ یہ خود ہی صلاح دیتا ہے اور خود ہی عمل کرتا ہے۔ ایسا آدمی نہ بادشاہ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی منتری اسے ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔ ڈکٹیٹر اکیلا اپنے ملک میں حاکم ہوتا ہے۔ وہ خود ہی صلاح دیتا ہے اور خود ہی عمل کرتا ہے۔ عوام صرف تالیاں بجاتے ہیں واہ واہ کہتے ہیں اور اپنے خون کی ندیاں بہاتے ہیں۔ کیونکہ ڈکٹیٹر کو خون بہانے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ اس قسم کی حکومت کو زبردستی کی حکومت کہتے ہیں۔

لیکن پریوں کے دیش میں ڈکٹیٹر نہیں ہوتا۔ پریوں کے دیش کی کہانیوں میں صرف بادشاہ، منتری، راجکمار اور شہزادیاں ہوتی ہیں۔ ہندمیں سرپھرے لوگ اس کوشش میں ہیں کہ اس دنیا کو بھی پریوں کا دیش بنا دیا جائے۔ جہاں ہر لڑکا شہزادہ اور ہر لڑکی شہزادی ہو۔ آئندہ ایسے لوگوں کے واسطے پاگل خانہ کھلنے والا ہے۔ جہاں پر انہیں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ اس لئے بچو ان لوگوں کا کبھی بھروسہ نہ کرنا اور دور سے کہو ہم سے منتری۔

۷ ـــــ یاد

بچو اس پرائمر کی بہت ضروری لفظ "ی" یاد ہے۔ یاد کے بغیر تم پرائمر کو کبھی دماغ میں نہ رکھ سکو گے۔ اور اسے بہت جلدی بھول جاؤ گے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم یہ پرائمر بھول جاؤ۔ کیونکہ اگر تم نے یہ پرائمر بھلادی تو تم اپنے لئے اور اس طرح دنیا کے لئے بھی نئی زندگی نہ بنا سکو گے۔ اس لئے اسے یاد کرو۔ اس پرائمر کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھو۔

نئی پرائمر تمہارے لئے کیوں ضروری ہے؟ ممکن ہے کہ میں اس کا تسلی بخش جواب نہ دے سکوں۔ اس لئے نہیں کہ تم بچے ہو۔ بلکہ میں ایک معمولی اسکول ماسٹر ہوں ہاں میں ایک معمولی اسکول ماسٹر ہوتے ہوئے جب آج کی دنیا کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا کو نئے پرائمر کی ضرورت ہے

پھر یہ نیا قاعدہ میں تمہیں کیوں پڑھا رہا ہوں۔ کیوں نہ اس قاعدے کو بزرگوں کے پاس لے جاؤں اور ان سے استدعا کروں کہ وہ اس قاعدے کو ساری دنیا میں پھیلا دیں۔ بلکہ میں اپنے قاعدے کے لئے بچوں سے مدد چاہتا ہوں۔ بچے جو کمزور ہیں۔ ننھے ہیں۔ معصوم ہیں۔ بس اس لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیونکہ تم ننھے ہو کمزور ہو اور بھولے ہو میں جانتا ہوں کہ تم کھلونوں سے کھیلتے ہو۔ پریوں سے محبت کرتے ہو۔ درختوں سے بات کرتے ہو۔ تاروں کی لکائیں گنتے ہو۔ اور اپنے دل میں وہ دولت رکھتے ہو جو ڈوبتے ہوئے سورج کے سارے سونے میں نہیں ہے۔ اس لئے میں وہ قاعدہ لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تم بڑے ہو کر اس دولت کو دنیا میں پھیلا دو۔ تاکہ ہر بچے کا لباس ریشم کا ہو جائے

اس کی آنکھوں میں خوشی چمک اٹھے وہ پرستان کی کہانی نہ سنے بلکہ خود پرستان میں رہے۔

بچو اگر تم نے نیا قاعدہ یاد رکھا تو تم یہ سب کچھ کر سکو گے اس لئے کہو ی سے یاد۔

۱۳ ——— راجہ

بچو تم نے راجہ دیکھا ہوگا۔ اگر راجہ نہیں تو راجہ صاحب کا ہاتھی ضرور دیکھا ہوگا۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ راجہ صاحب کا ہاتھی ہوتا ہے اور پنڈت جی کی بیل گاڑی ہوتی ہے اور مولوی صاحب کا گھوڑا ہوتا ہے اور غریب کا گدھا ہوتا ہے۔ دھوبی کا کتا ہوتا ہے۔ جو اکثر نہ گھر کا ہوتا ہے اور نہ گھاٹ کا۔ لیکن راجہ صاحب کے پاس صرف ہاتھی ہی نہیں ہوتا سب کچھ ہوتا ہے۔ گھر، گھاٹ، دھوبی، کتا، پنڈت، مولوی، ہاتھی، چیتا، بیل، گاڑی، موٹر، اور ہیرا۔ راجہ صاحب کی رانی بھی رانی بھی ہوتی ہے۔ بلکہ عام طور رانیاں ہوتی ہیں جو عالیشان محلوں میں رہتی ہیں جو عورتیں رانیاں نہیں ہوتیں وہ گھاس پھوس کے جھونپڑے میں رہتی ہیں۔ راجہ کے پاس رعایا بھی ہوتی ہے اور بغیر رعایا کے کوئی راجہ راجہ نہیں کہلا سکتا۔ اس دنیا کا شروع سے یہی اصول چلا آ رہا ہے کہ راجہ محل میں رہتے ہیں اور رعایا جھونپڑوں میں۔ وہ تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتے ہیں اور رعایا کھیتوں میں ہل چلاتی ہے راجہ شراب پیتا ہے رعایا پانی اور جب پانی نہیں ملتا تو چپ چاپ بھوکی پیاسی مر جاتی ہے۔ ایسے وقت کو کال کہتے ہیں۔

لیکن وہ دنیا کا پرانا قاعدہ ہے۔ نیا قاعدہ تو تم اب پڑھ رہے ہو۔ نئے قاعدہ
قاعدے میں راجہ اور رعایا سب برابر ہیں۔ کروڑوں روپیے محلوں پر خرچ کرنے
کے بجائے رعایا کے لئے کوارٹر بنائے جاتے ہیں۔ موٹر اور ہاتھی رکھنے کے بجائے کر
کارخانے کھولے جاتے ہیں۔ اور ہیرا بالکل اڑا دیا جاتا ہے۔ بھلا سر پر ہیرا
لگانے سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے؟ نئے قاعدے میں ہیرا لگانے اور ہیرے موتی
کے گہنے پہننے پر کتابیں پڑھنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے نیا قاعدہ پڑھو
اور رکھو سا سے راجہ۔

ل ــــــ لوہا

بچو تم نے لوہا اکثر دیکھا ہوگا۔ یہ ایک کالے رنگ کی سخت دھات ہے۔ یہ
دیکھو تمہارے چاقو کا پھل لوہے کا بنا ہوا ہے۔ سلیٹ کے چاروں طرف جو کیٹے
جڑے ہیں وہ لوہے کے ہیں۔ تمہارے قلم میں جو نب لگا ہوا ہے وہ لوہے کا بنا ہوا
ہے۔ درزی کی سوئی بھی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ جارج واشنگٹن کا کلہاڑا بھی
لوہے کا بنا ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوہے سے اَن گنت چیزیں بنتی ہیں۔

آج کل لوہے سے مشینیں بھی بنتی ہیں اور مشین گنیں بھی۔ مشینوں کے ذریعہ
آدمیوں سے زائد کام لیا جاتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مشینیں دن بدن
بڑھتی چلی گئیں اور انسان کے ہاتھ چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں۔

لڑائی ہمیشہ مشین گنوں اور لوہے کے دوسرے ہتھیاروں سے لڑی جاتی
ہیں۔ انسانوں کو مارنے کے تمام اوزار لوہے سے بنتے ہیں۔ اس لئے لوہے کو

دھاتوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران جتنی زندگیاں برباد ہوئیں اس سے قبل کسی لڑائی میں نہیں ہوئیں۔ صرف اسی ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوہا کتنی اچھی چیز ہے۔ اس لئے جن حکومتوں کے پاس لوہا ہوتا ہے وہ بڑا حکومت اور جن کے پاس لوہا نہیں ہوتا وہ چھوٹی حکومت کہلاتی ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لوہا انسان کے لئے اتنا کارآمد نہیں ہے۔ جتنا کہ پھول یا قہقہہ، یا ایک نغمہ۔ لیکن ایسے لوگوں کو عام طور پر پاگل کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں پر ہمیشہ لعن طعن ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اکثر جیلوں یا پاگل خانوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ آجکل لوہے کا زمانہ ہے۔ نغموں کا نہیں، قہقہوں کا زمانہ نہیں، پھولوں کا زمانہ نہیں، وہ زمانہ ابھی نہیں آیا اور جب تک وہ زمانہ آئے گا یہ پاگل لوگ موت کے منہ میں جا چکے ہوں گے۔ اب تو لوہے کا زمانہ ہے۔ لوہے اور کوئلے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں یہ دونوں مل جاتے ہیں وہاں انسانی خون کی ندیاں بہنے لگتی ہیں۔ اس لئے کہوک سے کوئلہ۔ خ سے خون اور ل سے لوہا۔

ش ——— شراب

بچو تم نے شاید آدھی رات کو اپنے باپ کو دروازہ کھٹکھٹاتے، جھومتے گالیاں بکتے اور گنگناتے سنا ہوگا یہ شراب کا اثر ہوتا ہے۔ شراب بڑی اچھی چیز ہے۔ کیونکہ یہ انگور کے رس سے تیار کی جاتی ہے۔ لیکن آج کل انگور کی بیلیں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ کیونکہ انہیں ان بچوں نے کاٹ ڈالا ہے۔ جو جارج وا

کی طرح کندھے پر کلہاڑا لئے پھرتے ہیں۔ اس لئے آجکل شراب انگور کے رس سے نہیں بلکہ مکئی، چاول، جو، یا کیڑے مکوڑوں کے رس سے تیار کی جاتی ہے۔ جو جتنی سڑی گلی اور بدبودار ہوگی اس سے اتنی ہی لذیذ شراب تیار ہوگی۔ یہ شراب کا پہلا اصول ہے۔ شراب کا آخری اصول بیوی بچوں کو مارنا پیٹنا اور نالیاں پکنے پر ختم ہوتا ہے۔ جب شراب تیار ہو جاتی ہے تو اس میں تھوڑی سی کونین بھی ملا دیتے ہیں تاکہ ملیریا کے وہ مچھر جو شراب تیار ہونے پر پیدا ہوئے تھے ختم ہو جائیں۔ اسی لئے تو شراب ترش ہوتی ہے۔ اور شرابی کو کبھی ملیریا نہیں ہوتا۔ ھندوستان میں لوگ شراب بہت کم پیتے ہیں۔ اس لئے یہاں ہر سال لاکھوں آدمی ملیریا سے مر جاتے ہیں۔ اس لئے بچو اگر تم ملیریا سے بچنا چاہتے ہو اور شاعر بننا چاہتے ہو تو شراب پیو۔ کیونکہ شاعری صرف شراب پینے سے آتی ہے۔

شراب پینے سے آدمی کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ دلیری، مردانگی، اور بہادری کے جوہر دکھانے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے آجکل ھندوستانی شرابیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے ملک کو آزاد کر دالیا ہے۔ اور اپنی حکومت قائم کرلی ہے۔ بچو تم بھی شرالستان کا ساتھ دو اور کوشش سے شراب

س ـــــ سرکار

بچو سرکار اسے کہتے ہیں جہاں تھوڑے سے آدمی بہت سے آدمیوں پر اپنا حق جتلائیں۔ تم سب بچے ہو اور مجھ سے چھوٹے ہو۔ اس اسکول میں میری

حکومت ہے۔ لیکن اس تحصیل میں اور بھی بہت سے آدمی رہتے ہیں۔ لیکن اس تحصیل پر صرف ایک تحصیل دار کی حکومت ہے۔ یہ ضلع ایک راج ہے جہاں گورنر کی حکومت ہے۔ راج ایک دیس میں ہے جہاں پریسیڈنٹ کی حکومت ہے۔ ملک کامن ویلتھ میں ہے۔ جہاں بادشاہ کی حکومت ہے۔ کامن ویلتھ زمین پر ہے جہاں بھگوان کی حکومت ہے۔ بھگوان دنیا میں ہے۔ جہاں پیسے کی حکومت ہے حکومت کے بنا آدمی سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اگر یہ حکومت نہ ہوتی تو یہ اسکول بھی نہ ہوتا نہ تم مجھ سے سبق لیتے۔ اور نہ میں تم کو پڑھاتا۔ یہ بھی حکومت کا کام ہے۔ اس بچو ہمیشہ حکومت کی عزت کرو۔ اور یہ یاد رکھو کہ ہر آدمی حکومت نہیں کر سکتا۔ اور ہندوستانی تو خاص طور پر حکومت نہیں کر سکتا۔ جو لوگ حکومت کرتے ہیں وہ حاکم کہلاتے ہیں۔ اور جن پر حکومت کی جاتی ہے انہیں محکوم کہا جاتا ہے۔ حاکم ہمیشہ رعایا کے فائدے کی بات سوچتا ہے۔ اس لئے حاکم ہمیشہ امیر ہوتا ہے اور رعایا غریب۔ اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو جائے کہ حاکم رعایا کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ نقصان کیلئے سوچنے لگے تو رعایا امیر اور حاکم غریب ہو جائیں۔ اور یہ اچھی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ غریب حاکم کبھی حکومت نہیں چلا سکتا۔ اس لئے حاکم کو ہمیشہ رعایا کے فائدے کی بات سوچنا چاہئے۔ کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ سرکار کا نام دنیا ہی سے مٹا دیا جائے۔ ایسے لوگ بہت برے ہوتے ہیں۔ وہ تو "س" کا لفظ برتتے ہوئے ہیں۔ بچو اب تمہیں بتاؤ کہ اگر "س" کو مٹا دیا جائے تو تم سرکار میں حاکم کیسے بنو گے؟

اس لئے ان پاگل آدمیوں کی باتیں کبھی نہ سنو اور کہو "س" سے سرکار

۵ ـــــ ہندو

بچو ہندو اسے کہتے ہیں جو مسلمان کا دشمن ہو وہ کام کرے جو مسلمان نہ کرتا ہو یہی وجہ ہے کہ مسلمان گوشت کھاتے ہیں اور ہندو ترکاری۔ مسلمان سر منڈاتا ہے ہندو سر پر چوٹی رکھتا ہے۔ مسلمان گائے کو حلال کرتا ہے اور ہندو سے اپنی ماں سمجھتا ہے اور پوجا کرتا ہے۔ مسلمان سوّر کو حرام سمجھتے ہیں ہندو اس کا اچار ڈالتے ہیں۔ مسلمان مسجد میں جاتا ہے ہندو مندر میں۔ ن چپ چاپ نماز پڑھتا ہے۔ ہندو سنکھ اور گھنٹیاں بجا کر پوجا تا ہے۔ اس پر بھی ہندو اور مسلمان دونوں بھائی بھائی ہیں۔

ہندو پرتھوی راج چوہان کی عزت کرتا ہے مسلمان شہاب الدین غوری۔ ہندو رانا سانگا کو پوجتا ہے مسلمان بابر کی شان میں قصیدہ پڑھتا ہے ہندو رانا پرتاپ کو بڑا سمجھتا ہے مسلمان اکبر کو رانا پرتاپ سے زائد سمجھتا ہے۔ ہندوں کا ہیرو شیواجی ہے اور مسلمانوں کا اورنگ زیب اس پر ہندو مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

ہندو جس محلے میں رہتا ہے وہاں مسلمان کو گھسنے نہیں دیتا۔ ہندو جس چوک میں کھانا کھاتا ہے وہاں سے مسلمان گذر نہیں سکتا۔ ہندو جس ے میں سوتا ہے وہاں مسلمان کا سایہ بھی نہیں پڑ سکتا۔ ہندو جل پیتا ہے سلمان پانی۔ مسلمان مر کر گاڑا جاتا ہے اور ہندو آگ پر جلایا جاتا ہے س پر بھی ہندو مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

ہندو مسلمان کو غیر مذہب قرار دیتا ہے اور مسلمان ہندو کو کافر

کہتا ہے - ھندو کی زبان سنسکرت ہے مسلمان کی عربی - ھندو ٹیگور کو مشہ
کا شاعر کہتے ہیں اور مسلمان اقبال کو - ھندو اکھنڈ ہندوستان چاہتا ہے اا
مسلمان پاکستان - اس پر بھی ھندو مسلمان بھائی بھائی ہیں -

اگر مسلمان اور ھندو بھائی بھائی ہیں تو دشمن کے لئے ایک نیا لفظ تلاش
کرنا پڑے گا - لیکن جب تک کوئی ایسا لفظ نہیں تلاش کیا جاتا تم یہی سمجھو کہ
مسلمان کا دشمن ہے اور ھندو اور مسلمان دونوں بھائی بھائی ہیں - اور
دونوں ایک ہی ملک میں رہتے ہیں - جس کے بارے میں کہا گیا ہے

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا"

اسی ملک میں جہاں ھندو اور مسلمان بستے ہیں - کچھ لوگ ایسے بھی ہیں
جو اپنے آپ کو انسان کہلوانا پسند کرتے ہیں خدا کے بندے ! لیکن یہ ان لوگوں کی غلط
فہمی ہے - یہ لوگ خدا کے بندے نہیں ہیں - ناستک ہیں - خطرناک بھیڑیئے - بچو تم
آدمیوں کو جہاں دیکھو یاد رہیں ان کے منہ پر تھوکو - کیونکہ انسپکٹر صاحب کا یہی
ھندو مسلم بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کو بھائی کہتے ہیں - دلیش بھائی
جب ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے ہیں تو دنگا فساد ہو جاتا ہے - دنگا فساد بڑے مزے کا
ہے اور یہ کھیل ھندوستان میں اکثر کھیلا جاتا ہے - کیونکہ یہاں ھندو اور مسلمان
بڑی تعداد میں ہیں - عام طور پر دنگا فساد پنڈت اور مولوی سے شروع ہو کر دفعہ
پر ختم ہوتا ہے - اور اس دوران میں خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں - جس میں ھندو مسلما
خوشی خوشی نہاتے ہیں - اس کے بعد پولیس جھگڑے پر قابو پا لیتی ہے - اور پھر دوسرے
فساد کی تیاری شروع ہو جاتی ہے - بڑے مزے کا کھیل ہے - چونکہ ھندو مسلمانوں کو بھا

تکمیل سے فرصت نہیں ملی۔ اس لئے انہوں نے یہ کام بہت دنوں تک انگریزوں کو سونپے رکھا کہ وہ ہمیشہ ان دونوں بھائیوں کا فیصلہ کرتے رہیں۔ یہی وجہ ہے انگریزوں کو منصف کہا جاتا ہے۔ لیکن ملک میں ایسے بیوقوفوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اس لئے گھوڑا سے معذرت۔

گ ـــــ گیان (علم)

بچو اس وقت تم اس پیراگراف کا آخری لفظ پڑھ رہے ہو لیکن آخر میں آنے کی وجہ سے اس کی اہمیت کوئی کم نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے عمدہ چیز علم ہے۔ جو تم مجھ سے سیکھ رہے ہو۔ جب تم علم سیکھ جاؤ گے تو میری طرح عامل کہلاؤ گے۔ اور ہر ماہ پندرہ روپیہ تنخواہ پاؤ گے۔ بچو علم بہت اچھی چیز ہے اسے نہ چور چرا سکتا ہے اور نہ ہی آگ جلا سکتی ہے۔ نہ راجہ چھین سکتا ہے۔ نہ بھائی بٹوارہ کر سکتا ہے۔ اس لئے جب عامل مرجاتا ہے تو سب علم اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور اپنے بیوی بچوں کو بھوکا مرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کیونکہ علم بڑی دولت ہے۔ علم مرد کا زیور ہے جس طرح عورت کا سونا۔ لیکن کئی چیزیں دولت کے بغیر بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں جیسے چاند۔ ہر بچہ شروع میں چاند کی طرح ہوتا ہے لیکن پڑھ لکھ کر بڑا آدمی ہو جاتا ہے اور نوکری تلاش کرتا ہے۔ کیونکہ علم سے نوکری ملتی ہے اور نوکری سے تنخواہ ملتی ہے۔ دیکھو میں اس اسکول میں ملازم ہوں اور پندرہ روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہوں۔ پندرہ روپیہ دولت کو کہتے ہیں اور پندرہ ہزار روپیہ بھی دولت کو کہتے ہیں اور پندرہ لاکھ کو بھی دولت کہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ استاد کو پندرہ روپیہ کی دولت ملتی ہے اور کارخانے دار کو پندرہ لاکھ۔ لیکن دولت ہر حالت میں دولت ہے وہ صرف پندرہ روپیے ہوں یا پندرہ لاکھ۔ اس لئے ہر استاد کو اپنی

دولت پر شکر گذار ہونا چاہیے۔ کیونکہ علم بڑی دولت ہے۔ بچو علم سیکھو اور یہ نہ سیکھو گے تو تمہیں نوکری نہ ملے گی اور جب نوکری نہ ملے گی تو دولت کہاں سے پاؤ گے اور ایسی صورت میں تم کیا کرو گے۔ حلوائی کی دوکان کھولو گے یا جوتے بناؤ گے یا کارخانے میں کام کرو گے۔ اس لئے بچو علم ضرور سیکھو۔ علم کے بغیر نوکری نہیں مل سکتی اور عزت حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے کہو گے سے گیان (علم)

پہلا سبق

انگریز انسان ہیں۔ ملایا والے بھی انسان ہیں۔ انسان انسان پر حکومت کرتا ہے حکومت چور کو سزا دیتی ہے۔ چور ڈاکو کا چھوٹا بھائی ہے۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔

موہن آم کھاتا ہے۔ بنیا سود کھاتا ہے ڈامی مکھن کھاتا ہے۔ بنگالی بھوکا رہتا ہے۔ راجہ محل میں رہتا ہے۔ رانی ریشم کے کپڑے پہنتی ہے۔ میری بہن کا نام رانی ہے۔ لیکن اس کے پاس ریشم کے کپڑے نہیں۔

خربوزہ کھا۔ خربوزہ نہ بن۔ ہیضے سے مر بھوک سے نہ مر۔ کالی بک چپ نہ رہ۔ یہ فردوس کا میوہ ہے اس کو برآمد کر۔

راجہ آیا۔ ہاتھی آیا۔ ڈاکو آیا۔ کال آیا۔ گودام کہاں ہیں۔ یہ تو کاغذ کا گودام ہے۔ اناج کا گودام کہاں ہے؟ پہلوان بن چوہا نہ بن۔ گودام پر قبضہ جم

دوسرا سبق

آج امن ہے کل لڑائی ہوگی - پرسوں پھر صلح ہو جائے گی - اسی کا نام دنیا ہے - ھندو مسلمان دنگا فساد کرتے ہیں - ھندو جل پیتا ہے مسلمان پانی پیتا ہے - انسان کے لئے پانی کہاں ہے ؟ کہیں نہیں ہے -

شراب انگور سے بنتی ہے - غلامی وفاداری سے آتی ہے - کتا بڑا وفادار جانور ہے - بھیڑیا جنگل میں رہتا ہے - کتے کے گلے میں زنجیر ہے - زنجیر کو توڑ دے دودھ کا پیالہ چھوڑ دے -

موہن بڑا اچھا طوطا ہے - یہ جال کر پنجرے میں بولتا ہے - ھدب ھدب ھرے -

موہن ھندو ہے - امجد مسلمان ہے - ھندو مسلمان کا دشمن ہے موہن اور امجد بھائی بھائی ہیں - بھائی بھائی لڑتے ہیں - غدار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں -

تیسرا سبق

ڈکٹیٹر خون بہاتا ہے - ہیروں کے ملک میں ڈکٹیٹر نہیں ہوتا - ماسٹر کے پاس پندرہ روپے ہیں - کارخانے والے کے پاس لاکھوں روپئے ہیں - ھندوستانی کے پاس ڈیڑھ آنہ ہے - پندرہ سال کے بعد ھندوستانی کے پاس چار آنے ہونگے پندرہ سال میں پانچ ہزار چارسو پچھتر دن ہوتے ہیں - ھندوستانی چالیس کروڑ ہیں - ھندوستان میں بلبلیں رہتی ہیں -

بچہ ننگا پھرتا ہے - پتلون نہیں پہنتا - پتلون پہنے گا تو نوکری ملے گی - نوکری

سے عزت ملتی ہے۔ نوکری کر۔ بیری لا۔ حرام حاصل کر۔ سوھن کے پاس بہت دولت ہے موھن کے پاس ایک چھدام بھی نہیں۔ موھن غریب ہے۔ غریب چوری کرتا ہے۔ حاکم حکومت کرتا ہے۔

راجہ تخت پر بیٹھتا ہے۔ رعایا ہل چلا رہی ہے۔ یہ جھونپڑہ ہے۔ وہ محل ہے۔ گالی نہ بک۔ نیا قاعدہ پڑھ۔ پرانا قاعدہ بھول جا۔

گھر جا۔ ڈاکو سے لڑ۔ پنجرہ کھول دے۔ آج رات ہے۔ کل صبح ہوگی۔ سورج نکلے گا۔ نیا انسان پیدا ہوگا۔ بچے کھیلیں گے۔ قہقہے لگائیں گے۔ گیت گائیں گے۔

وزیروں کا کلب

کناٹ پیلیس کے گول چکر کے باہر ایک اور گول چکر ہے جو شرنارتھیوں کی دوکانوں کا کھنچا ہوا ہے۔ زیادہ تر دوکانیں لکڑیوں، ٹین کی چھتوں یا ترپال کی دیوار سے تیار کی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت ساری دوکانیں بھٹیار خانہ نما ہوٹلوں میں تبدیل ہو چکی ہیں

سرکاری معاملوں کے سلسلوں میں عام لوگوں کو سرکاری دفتروں میں جانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ طبیعت کے گندے ہوتے ہیں اس لئے نئی دلی کے صاف ستھرے ہوٹلوں کا کھانا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے یہ لوگ کمزور اور بزدل ہوتے ہیں۔ بھائی لوگ "لارڈ" اور "کلیرج" جیسے بڑے ہوٹلوں کا بل دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی مجبوری کو دیکھ کر جنگلی جھاڑیوں کی طرح یہ ہوٹل خود بخود زمین سے اگ آئے ہیں ان دوکانوں میں آپ وہی بے ترتیبی، بے ڈھنگا پن اور گنوار پن پائیں گے۔ جو اپنے آپ اگنے والی جنگلی جھاڑیوں میں ہوتے ہیں۔ مجھے ان ڈربے نما ہوٹلوں سے سخت نفرت ہے۔ جہاں تین آنے میں دو چپاتیاں مل جاتی ہیں۔ اور دال مفت پانی مفت بیٹھنے

کے لئے کرسی اور ٹیبل مفت - اگر دوسرے ملکوں کے سیاح ان ہوٹلوں کو دیکھ لیں تو وہ ھندوستانی قوم کے لئے کیا رائے قائم کریں - آجکل انہ دربے کے اپنے ملک کی ظاہری عزت رہ گئی ہے - جس کی وجہ سے ھندوستان کا نام دوسرے ملکوں میں عزت سے لیا جاتا ہے - ورنہ ہمارے ہاں ہے کیا ؟ عوام ہیں تو بیوقوف اور دوکاندار ہیں تو بے ایمان - کلرک ہیں تو رشوت خور - مزدور ہیں تو کام چور - عورتیں ہیں تو فیشن کی دیوانی - لوگ ایسی بری عادتوں کے شکار ہو چکے ہیں کہ گندے گھروں میں رہتے ہیں پھٹے کپڑے پہنتے ہیں اور گندے بازاروں میں آوارہ گردی کرتے ہیں - یہاں کسی غیر ملکی سیاح کو دکھانے کے لئے ہے کیا ؟ ایک تھا بھاکڑہ ننگل ڈیم وہ پورا ہی نہیں بن چکتا - یار لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ ڈیم مکمل کر لیا تو غیر ملکیوں کو دکھانے کے ہمارے پاس کیا رہ جائیگا اب رہ گئی ظاہری عزت جس کی وجہ سے ہمارا بھرم قائم ہے اور یہ ظاہری عزت نئی دلی کی پیداوار ہے - جب تک یہ ڈربے کناٹ پلیس میں قائم ہیں ہمارے ملک کی عزت غیر ممالک میں نہیں ہو سکتی - میری ناچیز رائے یہ ہے کہ ان ڈربوں کو گرا دینا چاہئیے - خیر یہ تو ایک طنز تھا - اصل بات یہ ہے کہ آج کل جو میں کہتا ہوں اس میں بات کم ہوتی ہے اور طنز زیادہ ہوتا ہے -

دراصل میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز جلتی دوپہر میں ٹین کی چھت کے نیچے کناٹ پلیس پر اسی ڈربے میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا - مجھے یہ ڈربے پسند نہیں ہیں اور نہ میں ان میں کھانا پسند کرتا ہوں - میں ایک سمجھدار اور کافی پڑھا لکھا آدمی ہوں - بڑے بڑے آدمیوں سے میری ملاقات رہتی ہے - جن میں وزیر، لیڈر، مل مالک، اور پنج سالہ منصوبہ بنانے والے شامل ہیں - جی نہیں آپنے غلط سمجھا میں کسی محکمہ میں ڈپٹی سکریٹری نہیں ہوں۔

سیمنٹ کا ٹھیکیدار بھی نہیں۔ کسی وزیر کا بھانجہ بھی نہیں۔ نہیں نہیں میری بیوی کسی اسمبلی کی ممبر بھی نہیں۔ میں تو آجکل اخبار میں رپورٹر ہوں۔ اور صرف اسی وجہ سے ان ڈربوں کا کھانا کھانے کو مجبور ہوں۔ کیونکہ سول سیکریٹریٹ میں مجھے کسی نہ کسی بڑے صاحب سے انٹرویو لینے کے لئے جانا پڑتا ہے اور میری جیب اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ "لارڈ" ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھاؤں۔ ایمان کی کہیئے کہ مخمل کی کرسیوں پر ولائیتی برتنوں میں سجا ہوا کھانا کسے پسند نہیں۔ ہاں بھئی آدھی پلیٹ دال کی اور دیدو اور میرچپاتی جل گئی ہے اسے بدل کر دوسری دیدو۔

ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا اُفوہ کس قدر بری عادت ہے میری۔ بڑا اپڑا بیکار کی باتیں کیا کرتا ہوں اس سے ایک تو اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے اور پھر وقت کتنا برباد ہوتا ہے آپ نے کبھی دھیان دیا ہے آپ آدھ گھنٹے سے اُلو کی طرح میرا منہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ نہیں نہیں آپ خفا نہ ہوئیے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کھانا بھی کھائیے اور ساتھ ہی ساتھ میری باتیں بھی سنتے جائیے۔

ہاں تو میں آپ کو بتلا رہا تھا کہ ایک روز تپتی دوپہر میں اسی ایک ڈربے میں بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا کہ ارے دیکھیو یہ آپ کے پیچھے کون آدمی آکر بیٹھا ہے۔ مڑکر دیکھیئے۔ ضرور دیکھیئے۔ اس طرح مت گھوریئے۔ دوسرا آدمی آپ کو سی۔آئی۔ڈی والا سمجھنے لگا۔ آپ نے انہیں پہچانا۔ ذرا اپنے دماغ پر زور دیجیئے اور بتلائیے کہ آپ نے اسے کہاں دیکھا ہے؟ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ نے ضرور دیکھا ہوگا۔

کچھ یاد نہیں آتا۔ دراصل اس میں آپ کا بھی اتنا ہی قصور ہے اس آدمی کی بڑی بڑی مونچھیں جو اس کے منہ میں گھس رہی ہیں۔ اس کے میلے کچیلے کپڑے کھدر کی

گندی ٹوپی اس کی سیٹھی سیٹھی تار تار مسکراہٹ سے آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ آدمی کسی زمانے میں اتر پردیش کا وزیر سیکریٹیل کا محکمہ بھی اس کے پاس تھا۔ اور میں دعا سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ان دونوں محکموں کو سنبھالنے کے قابل بھی تھا۔ اس کا باپ موضع دھالپور کا مشہور جاگیر دار تھا۔ اور وزیر بننے سے پہلے یہ آدمی سترہ بار جیل جا چکا تھا۔ جن میں ایک تو لڑکی بھگانے کے کیس میں پکڑا گیا تھا۔ دوسری بار اس پر ڈاکوؤں کی مدد کرنے کا الزام تھا۔ تیسری اور چوتھی بار سرکاری روپیہ غبن کرنے کا الزام تھا۔ اس کے بعد جو تقدیر نے پلٹا کھایا تو اس کی قسمت جاگ گئی۔ یہ ایک غنڈے سے اچھا بھلا نیک آدمی بن گیا۔ آخری تیرہ۱۳ جیلیں اس نے قوم کی خدمت کے جذبے میں کاٹیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کے اندر ایک روح ہے۔ جسے اگر جگا لیا جائے تو انسان بن جاتا ہے۔ کوئی ذات بری نہیں ہوتی۔ کوئی آدمی برا نہیں ہوتا یہ سب دل میں سوچنے کی بات ہے۔ اور یہ بات الگ ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ بیوقوف ہیں۔ ان کے سر پر جب تک ڈنڈے نہ مارے جائیں وہ بدلتے نہیں اور جو ہماری آپ کی طرح سیدھے سادے لوگ ہیں۔ ان کے لئے لیڈر کا اشارہ کافی ہے۔

یہ وزیر آجکل بہت بری حالت میں زندگی گزار رہا ہے۔ دیکھیئے اس کی چپل کتنی گھسی ہوئی ہے۔ اس کا کھدر کا پائجامہ کیسا میلا ہو رہا ہے۔ اس کی مونچھیں ہونٹوں کے تھوک سے کتنی گیلی ہو رہی ہیں۔ اس کا رنگ کیسا بجھا بجھا سا ہے جیسے مونچھ بالوں کی نہ ہوں جوٹ کی ہوں۔۔ میرے خیال میں تو اس وزیر کو اپنی مونچھوں کا رنگ تبدیل کر ڈالنا چاہیئے ورنہ کوئی غیر ملکی ان مونچھوں کو دیکھ کر ہمارے بارے میں کیا سوچے گا۔

قسمت کی بات ہے جناب۔ کہ یہ وزیر آج ایک ڈربے نما ہوٹل میں یوں بیٹھے حال بیٹھا ہے۔ اصل میں اس کی قسمت کا کوئی قصور نہیں جتنا اس کی بیوقوفی کا ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو ایمانداری اور سچائی دراصل ایک بیوقوفی ہے۔ یہ وزیر ایماندار تھا اس لئے اس کی یہ حالت ہوئی۔ بھلا وزارت میں سچائی کا کیا لینا دینا۔ وزارت میں سچائی نہیں دیکھی جاتی بلکہ ایک دوسرے کا منہ دیکھا جاتا ہے۔ عوام یہ دیکھتے ہیں کہ لیڈر کیا کہتا ہے۔ لیڈر یہ دیکھتا ہے کہ وزیر کیا کہتا ہے۔ وزیر یہ دیکھتا ہے کہ چیف منسٹر کیا کہتا ہے۔ چیف منسٹر یہ دیکھتا ہے کہ باہر کے ملک کیا کہتے ہیں۔ اور اسی پر بھارت کی ساکھ قائم ہے۔ سچائی تھوڑی سی چٹنی اور پیاز اور دے دینا۔

اس وزیر کا نام الگو رام رائے ہے۔ جب یہ اتر پردیش میں وزیر تھا تو میں اس کا انٹرویو لینے گیا تھا۔ اس وقت اس کی شان کچھ اور ہی تھی۔ کھدر کا سفید براق پہناوا۔ سر پر کھدر کی کشتی نما ٹوپی یوں تنی ہوئی رہتی تھی جیسے کسی نے بانس کی کھپچی ڈال کر کھڑا کر دیا ہے۔ جب میں انٹرویو لینے گیا تھا تو اس کی خوبصورت سٹینو سے ملاقات ہوئی اس کا قصہ الگ ہے۔ وہ پھر سناؤں گا۔ اس وقت اس مہ جبیں کو دیکھ کر میرا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ اونچے ایڑی کے سینڈل پہن کر جب وہ ٹپ ٹپ کرتی ہوئی چلتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دفتر کے فرش پر ٹائپ کر رہی ہو۔ اصل میں ہاتھوں سے زیادہ اس کے پاؤں ٹائپ کرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور جب وہ کلرکوں کی میز کے درمیان سے گذر کر وزیر کے کمرے کی طرف جاتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈرافٹ کی مسکراہٹ کی کاربن کاپیاں بکھیرتی ہوئی جا رہی ہو۔

اس دن وزیر نے مجھے بہت بڑا انٹرویو دیا۔ اس دن وزیر بہت ہی خوش تھا

اسمبلی میں اس کا بنایا ہوا بل پیش ہونے والا تھا۔ انٹرویو کے درمیان بار بار سگار پی رہا تھا۔ ایک خوشبودار رومال جیب سے گھڑی نکال کر اپنی پیشانی سے پسینہ پوچھتا جا رہا تھا اور اس طرح ایک خمار آلود نگاہ اپنی اسٹینو پر بھی ڈال دیتا تھا۔ جیسے ان دونوں کے درمیان کسی دلچسپ بھید کا ساجھا ہو۔ اور وہ کافر بھی یوں اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی تھی جیسے اس نے اپنے ہونٹوں کے درمیان مسکراہٹ کا ربن لپیٹ رکھا ہو۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ ایک عورت اور ٹائپ مشین میں کیا فرق ہے۔ ذرا گدگداؤ اور مسکراہٹ باہر۔

نہیں جناب! میں عورت کا دشمن نہیں ہوں۔ میں عورتوں، ٹائپ رائٹروں، لیڈروں، وزیروں، اور قوم کی بھلائی کا کام کرنے والوں کا بے حد چاہنے والا ہوں بس اگر مجھے کسی سے شکایت ہے تو اپنے ملک کے بیوقوف عوام سے۔ میں کیا بتلاؤں کہ یہ کتنے کوڑھ مغز ہیں۔ اپنا برا بھلا سمجھنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ آپ خود ہی سوچئے وزیر آنگورام رائے نے جو بل اسمبلی میں پیش کیا تھا وہ کس قدر بیوقوفی کا ثبوت تھا اگر پاس ہو جاتا تو اس سے ہمارے ملک کے عوام کو کتنا فائدہ پہونچتا۔ اور باہر کے ملک بھی اس بل کے پاس ہونے پر کتنے خوش ہوتے۔ مگر جانے کیا بات ہوئی کہ کسی کا دھیان ہی نہ گیا اس طرف۔ حالانکہ چیف منسٹر نے بہت چاؤ سے بل پیش کیا تھا اس بل کا متن تھا کہ زمین کسانوں سے لے لی جائے اور زمینداروں میں بانٹ دی جائے۔ میں اسی سلسلے میں وزیر کا انٹرویو لینے گیا تھا۔ یہ بات مجھے بھی عجیب محسوس ہوئی کہ آجکل یہ بات بڑے زور و شور سے ہو رہی ہے کہ زمینداروں سے زمین لے کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اس وقت ایک سوال ایسا اٹھتا ہے جو

یہ بانگ دھل آپ سمجھتے ہے نا؟ نہیں تو گھر جا کر ڈکشنری دیکھیئے گا - جو یہ بانگ دھل یہ
ایکٹیں کرتا ہے کہ زمین زمینداروں سے نہیں بلکہ کسانوں سے لی جائے اور زمینداروں
میں بانٹ دی جائے - اس بارے میں جب میں نے وزیر سے وضاحت چاہی تو الیبنا
جواب دیا کہ اس کا اثر آج تک باقی ہے

وزیر نے کہا کہ یہ بات کس قدر غلط ہے کہ پہلے تو ہم زمین زمینداروں سے
لیتے ہیں - اس طرح لوگوں کا ایک گروپ ختم کرتے ہیں - یہ نفرت ہمارے سرکاری اصول
کے بالکل خلاف ہے - پھر ہم یہیں پر بس نہیں کرتے - پھر ہم یہ زمین لے کر اس کے
چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کسانوں میں بانٹ دیتے ہیں - یہ زمین کا بٹوارہ ہماری
پیداوار میں کمی کر دیتا ہے - اس کے جب ہمیں تجربہ ہونے لگتا ہے تو اس کے بعد ہم کوآپریٹو
سوسائٹی چلاتے ہیں - آخر اس زمین کے ٹکڑوں کو جو ہم نے کسانوں کو بانٹی تھی جمع کرتے
ہیں یہ بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ بھئی ٹکڑے کرنے اور پھر اکٹھا کرنے سے بہتر ہے کہ
زمین زمینداروں کے پاس رہے - زمیندار بھی تو ایک طرح کا کوآپریٹو سوسائٹی ہوتا ہے

میرے ضلع دھامل پور کو ہی لے لیجئے یہ گاؤں کئی صدیوں سے ہمارا ہے - لیکن
گاؤں کے سارے کسان مل کر اس میں ہل چلاتے ہیں - مل کر بیج بوتے ہیں - فصل اگاتے ہیں ا
فصل کاٹتے ہیں - وہ کوآپریٹو سوسائٹی نہیں تو اور کیا ہے؟ میرے والد اپنی آنکھوں کے
سامنے سارا کام کرواتے تھے - اور جو بدمعاش کسان چوں چرا کرتا تھا - اسے فوراً
نکال دیتے تھے - آجکل عجیب حالت ہے - کسان کتنا ہی کھپنڈ کا کام چور اور کاہل
کیوں نہ ہو کوئی اسے اس کی زمین سے بیدخل نہیں کر سکتا - حالانکہ مجھ جیسے اعلیٰ پوزیشن
وزیر سے روزانہ جواب طلبی ہوتی رہتی ہے - تم نے اپنے بھائی کو فلاں جگہ کیوں

رکھ دیا؟ اور اپنے فلاں بھتیجے کو فلاں پوسٹ کیوں دیدی؟ ایک وزیر کو اس کی وزارت سے کسی وقت بھی سبکدوش کیا جا سکتا ہے لیکن ایک بیوقوف جاہل ان پڑھ، مذہبی برائیوں میں پھنسے ہوئے اندھے عقیدے کے کسان کو کبھی بیدخل نہیں کیا جاتا۔ یہ کوئی انصاف ہے؟

پھر دیکھئے کہ جب سے زمینداروں سے زمینیں چھینی جا رہی ہیں۔ کھیتی کی پیداوار کم ہوتی جا رہی ہے۔ کسان پہلے سے زائد نکمے اور کاہل ہو گئے ہیں کیونکہ اب کے سر پر زمیندار کا ڈنڈا نہیں ہے۔ نہ صرف پیداوار کم ہوئی ہے بلکہ اناج کی قیمتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایمان کی بات کہئے دھرم کی بات کہئے ذرا گذشتہ تیس چالیس سالوں میں جائیے جب کسانوں کا غلط قدم ہمارے ہاں نہ تھا۔ دیکھئے اس وقت بھی زمین زمینداروں کے پاس تھی۔ لیکن ہمارا ملک کس قدر خوش حال تھا۔ ہمارے کسان کس قدر مزے سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اناج کس قدر افراط سے پیدا ہوتا تھا۔ اور کتنا سستا فروخت ہوتا تھا۔ چاول روپئے کے سولہ سیر تو میں نے لے کر کھائے ہیں۔ مکئی روپئے کی ڈیڑھ من بکتی تھی۔ تین آنے سیر دودھ تھا۔ گھی روپیہ کا چھ سیر بکتا تھا۔ آٹا روپئے کا پندرہ سیر بکتا تھا۔

آجکل آٹا تو کیا لکڑی کا بورادہ بھی اس بھاؤ نہیں ملتا۔ لکڑی کا برادہ تو کیا اگر آپ اپنے مکان کی مرمت کے لئے باہر سے ریت لینے جائیں تو وہ بھی اس بھاؤ پر نہیں مل سکتی۔ مجھے معلوم ہے میں ڈپلومیٹک کالونی میں اپنی کوٹھی بنوا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ریت کس بھاؤ ملتی ہے۔ سیمنٹ تو خیر کوٹے سے مل جاتا ہے۔ سرکار اگر ریت کا بھی کوٹہ کر دے تو کچھ بات بنے۔ مگر مرکزی سرکار کو اس کی فکر ہی کہاں ہے۔ کلچر کے لئے

بن کلب بنالیا ہے۔ یہ کلچر ولچر سب بکواس ہے۔ میرے خیال میں اس کلب کو جلد
سے جلد ریت کا ڈھیر بنا دیا جائے۔ کب سے ریتی نہ ہونے کی وجہ سے میری کوٹھی
کام رکا پڑا ہے۔

تو رپورٹر صاحب یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا بل میں آج اسمبلی میں پیش
والا ہوں۔ وزیر صاحب نے اپنی آنکھیں مجھ پر گاڑتے ہوئے کہا۔ تاکہ زمین پھر
زمینداروں کو مل جائے۔ اور دیس میں اناج سستا ملنے لگے۔ اور ہمارے
لوں کے لئے خوشحالی کا دور آجائے۔ جو آج سے چالیس سال پہلے تھا۔

حیدر ھفیر میں نے جوش میں تالی بجائی۔ وزیر صاحب کی تقریر بالکل صحیح اور
تھی۔ اس کے بعد وزیر نے اسمبلی میں جو تقریر کی وہ اس سے بھی بہتر تھی۔
ٹھیک موقع پر کیا ہوا کہ چیف منسٹر کا گروپ جس نے بل پاس ہونے کی تسلی دی
مخالف گروپ سے مل گیا اور یہ بل پاس نہ ہو سکا۔

چیف منسٹر کو وزارت میں تبدیلی کرنا پڑی۔ جس میں انہوں نے الگو رام رائے
لیا۔ الگو رام رائے نے آکر دلی میں کئی دروازے کھٹکھٹائے مرکزی حکومت
زور لڑانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس وزیر کا ضلع دیہات بھی
ن سے چھین لیا گیا۔ گویا یہ وزیر وزارت سے بھی گیا اور اپنے گاؤں سے بھی
در آج آپ اسے اس ڈربے میں جلی ہوئی روٹی کھاتے دیکھ رہے ہیں۔
بس اگر کوئی غیر ملکی ہمارے اس وزیر کو اس حالت میں دیکھے گا تو وہ ہمارے
کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا۔

مگر اصل میں اس وزیر کا جو قصہ آپ کو سنانے لگا تھا وہ اپنی جگہ ہے۔ حیدر

اسٹینو کا قصہ میں آپ کو ابھی نہیں سناؤں گا۔ شام کو سناؤں گا۔ جب سنہری جھاگ والی بیئر پیالے میں چھلک رہی ہوگی۔ اور کوئی دل بہلانے والی میرے پہلو میں بیٹھی ہوگی اور بل آپ ادا کریں گے۔ وہ قصہ اس وقت سنانے کا نہیں ہے۔

اس وقت اس وزیر کی دوسری ملاقات کا حال سناتا ہوں۔ اب الگورام وزارت سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔ دتی پہونچکر اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ تو اس نے نئی دتی میں وزیروں کا کلب کھول دیا۔ جی ہاں وزیروں کا کلب! اس نئی دتی میں! جہاں امرسیاں ہوٹل ہے نا! اس کے بالکل سامنے کی بلڈنگ میں کھولا تھا۔ اس کلب کی کہانی بھی بے حد دلچسپ ہے۔ میں ابھی آپ کو سناتا ہوں۔ ذرا میرے لئے آدھی پلیٹ مرغی منگوایئے مگر خیال رہے کہ اس میں ایک ٹکڑا تو مرغ کی ٹانگ ہو دوسرا ٹکڑا سینہ کا ہو۔ مجھے مرغ کی ٹانگ اور اس کا سینہ بہت پسند ہے

کیا کہا آپ نے۔ مغرب میں عورت کو بھی اسی طرح پرکھا جاتا ہے؟ جناب آپ بہت عورت پسند آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ ھندوستان ہے۔ جس کا پڑوسی پاکستان ہے۔ جس کا پڑوسی افغانستان ہے۔ مغرب کی گندگی یہاں نہ بکھیریئے ہم لوگ مشرق کے رہنے والے ہیں۔ مغرب کی تہذیب یہاں نہیں چلے گی۔ جو مرغ اور عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چلئے مرغ نہ سہی گوشت ہی منگوایئے۔

ہاں تو ایک دن میں اپنے اخبار کے دفتر میں بیٹھا ہوا پروف پڑھ رہا تھا کہ ایڈیٹر نے میرے ہاتھ میں دعوت نامہ تھماتے ہوئے کہا کہ آج شام کو چھ بجے کناٹ پلیس میں وزیروں کے کلب کا افتتاح ہو رہا ہے۔ آپ رپورٹ لے آئیے۔ میں بڑا حیران ہوا۔ یہ وزیروں کا کلب کیا بلا ہے۔ کارڈ دیکھا۔ واقعی آج وز

کے کلب کا افتتاح تھا۔ جناب گدگدا چارجی کامرس منسٹر اس کا افتتاح کرنے والے تھے۔ وزیروں کا کلب۔ بات اچنبھے کی تھی۔ لیکن جب کارڈ کے نیچے سکریٹری کا نام پڑھا تو چونک پڑا۔ نیچے بڑے بڑے الفاظ میں درج تھا۔

R.S.V.P.

Secratary Algoram Rai
Dhamalpuri

آر۔ایس۔وی۔پی۔ الگو رام رائے دھمال پوری۔ سابق وزیر ایتھوپیا دلیش دیتی رئیس زادہ (سترہ مرتبہ سزا یافتہ)

اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ اور افتتاح چھ بجے تھا۔ میں نے اسی وقت سائیکل اٹھائی اور وزیروں کے کلب کی طرف چل پڑا۔

وزیروں کا کلب بہت عمدہ سجا یا ہوا تھا۔ پردے، گاؤ تکیئے، تخت پوش، صوفے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا صنیڈ لوم انڈسٹری کی نمائش ہو رہی ہے کاغذ کے پھولوں اور ربر کے غباروں سے ہال سجا ہوا تھا۔ ایک کونے میں بار بھی بنایا گیا تھا۔ جہاں صرف "نیرا" ملتا تھا۔ تمباکو نوشی میں صرف بیڑی پی جاسکتی تھی۔ اور کھیلوں کے کمرے میں صرف شطرنج کھیلی جاسکتی تھی۔ الگو رام مجھ سے بڑے تپاک سے ملا۔ اس مرتبہ اس نے وزیروں کی پوشاک پہنی ہوئی تھی۔ یعنی اچکن اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر گاندھی ٹوپی تھی۔ لیکن اس کا رنگ اب سرخ تھا۔ میرے معلوم کرنے پر اس نے بتلایا کہ اس نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اور اب سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر وہاں کوئی امید دکھائی

نہ دی تو کمیونسٹ پارٹی میں جاؤں گا - اور اگر وہاں بھی کامیاب نہ ہوا تو اپنی پارٹی الگ بناؤں گا - لیکن فی الوقت میں نے وزیروں کا کلب کھول لیا ہے -

جب مجھے وزارت سے علیحدہ کیا گیا ہے تو کچھ نہ کچھ کام تو کرنا ہے - اس لئے میں نے سوچ بچار کر کے دلّی میں وزیروں کا کلب کھول دیا ہے - اس کلب کا ممبر وہی بن سکتا ہے جو کبھی وزیر، سیکریٹری، ڈپٹی سیکریٹری، جوائنٹ سیکریٹری رہ چکا ہے - اس کلب کا مقصد ہے سابق وزیروں وغیرہ کی بحالی - میں کہتا ہوں جب ہماری حکومت شرنارتھیوں کو لبانے کے لئے ایک محکمہ بنا سکتی ہے تو سابق وزیروں کی بحالی کے لئے کیوں کلب قائم نہیں ہو سکتا -

الگو رام نے بڑی زور سے میز پر مکہ مار کر بڑی سختی سے انگریزی میں کہا

THERE SHOULD BE A SEPARATE MINISTRY FOR THE REHABILITATION OF MINISTERS

میں نے کان سے اپنی پنسل نکال کر کہا - بے شک بے شک - وہ میری اس ہاں سے بہت خوش ہوئے اور رازدارانہ انداز میں میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر کہنے لگا - میرے کلب کے تین سو ممبر بن چکے ہیں - اور آئندہ سال تقریباً اتنے ہی ممبر اور بن جائیں گے اور اگر تم رازدارانہ لہجے میں کہا کہ اس کی ایک شاخ پاکستان میں اور ایک فرانس میں کردو تو مزہ آجائے؟ میں نے کہا

واہ واہ! تم نے کتنی عمدہ بات مجھے بتلائی ہے - الگو رام نے میرے کوٹ کے کالر سے پھول نکال کر اپنے کوٹ میں لگاتے ہوئے کہا پھر ہم سابق وزیروں کی انٹرنیشنل کانفرنس بلا سکتے ہیں پیرس میں - ارے ہاں سنتے ہو نا پیرس میں؟

پیرس کا نام آتے ہی الگو رام کی آنکھیں چمکنے لگیں - کچھ دیر خاموش رہا- گویا دل ہی دل میں پیرس کی انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے مزے لے رہا ہو- پھر یکایک اسے کچھ یاد آ گیا اس نے اپنی گھڑی دیکھی- اور جلدی جلدی کہنے لگا افتتاح کا وقت ہو رہا ہے جناب گدگدا جارجی آنے والے ہیں تم بڑے ہال میں چلو-

وہ مجھے چھوڑ کر جلدی سے بڑے ہال کی طرف بھاگا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا- ہال میں جوق در جوق سابق وزیر داخل ہو رہے تھے - ہر ضلع، ہر رنگ، ہر نسل، ہر قوم اور ہر زبان کے وزیر- جنوب کے وزیر، شمال کے وزیر، مغرب کے وزیر، مشرق کے وزیر، دبلے وزیر، موٹے وزیر، لمبے وزیر، اور چھوٹے وزیر، کالے اور گورے وزیر، بیمار اور تندرست وزیر- وزیروں کی آمد کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا- جب سارا ہال سابق وزیروں سے بھر گیا تو الگو رام نے سیکریٹری کی حیثیت سے اپنی رپورٹ پیش کی- وزیروں کو کلب کے اصول و قواعد سے آگاہ کیا جو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں- اس کے بعد اس نے حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی کی جیسے ہر وزیر، وزیر بننے سے پہلے اور وزارت چھن جانے کے بعد کرتا ہے- مجھے اس میں دو تین باتیں نہایت دلچسپ اور قابل دھیان معلوم ہوئیں: اول تو اس نے پانچ سالہ منصوبہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا- ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کروڑوں کی تعداد میں فولاد کا کارخانہ ڈھالنے میں برباد کیا جا رہا ہے - حالانکہ ہم بہت آسانی سے کچا سونا ملک سے ایکسپورٹ کر کے غیر ممالک سے بنا بنایا لوہا منگوا سکتے ہیں اور اس فولاد کی مشینیں بنا سکتے ہیں- اس طرح ہم کروڑوں روپئے بچا سکتے ہیں جو یہاں فولاد کا کارخانہ لگانے میں خرچ ہوگا- اپنے اسمبلی میں پیش ہونے والے بل پر بھی اس نے

بڑی دلچسپ بات بتلائی۔ اس بل کے نا کام ہو جانے کے بعد الگو رام نے سبھی ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے ارادہ کو بدل دیا۔ اب وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ زمین کسانوں کو بانٹ دی جائے اور نہ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ زمین زمینداروں کو دیدی جائے اب وہ یہ چاہتا تھا کہ کسانوں کو زمینداروں میں بانٹ دیا جائے۔

میں خوشی سے اچھل پڑا۔ انوہ۔ کس قدر انوکھا اور اچھوتا خیال ہے۔ یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ اس جیسے قابل آدمی کو وزارت سے ہٹا دیا گیا۔ لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے حکومت کو اپنی غلطی کا بہت جلدی احساس ہوگا۔ اور وہ پھر انہیں وزیر بننے کا موقع دے گی

میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ الگو رام کی تقریر ختم ہو چکی ہے۔ اور اب مہمان خصوصی اسٹیج پر افتتاح کرنے کے لئے تشریف لے آئے۔ جناب گدگد اچارجی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل میں ھُد ھُد یا بلبل کی صورت آنکھوں میں گھومنے لگتی ہے۔ حالانکہ ان پنچھیوں کا دور دور تک ایسے عقلمند انسان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جناب گدگد اچارجی نے اسٹیج پر آکر دونوں ہاتھ جوڑ کر سب کو نمستے کیا۔ اپنی دھوتی کا پلو ٹھیک کیا۔ اپنے داھنے ہاتھ کو ہوا میں اچھال کر کہا " لیڈیز اینڈ جنٹلمین"

ابھی گدگد اچارجی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ کلب کا ایک چپراسی جو کہ کسی زمانے میں ڈپٹی سیکریٹری تھا دوڑا دوڑا اسٹیج پر آیا اور جلدی سے اس نے کاغذ کا ایک پرزہ مہمانِ خصوصی کے ہاتھ میں دیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ

بے حد گھبرایا ہوا تھا۔ جناب گد گد آچارجی نے بڑے مزے اور آرام سے اپنی عینک کو ناک پر سرکاتے ہوئے کاغذ کے پرزے کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولے۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمین قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر شروع کروں ایک ضروری اطلاع دیتا ہوں اسے دھیان سے سن لیجئے۔ مرکزی حکومت میں بڑا ردوبدل ہونے والا ہے۔ ہر محکمہ میں پھیر پھار کے بعد اس بات کی امید ہے کہ وزیر اعظم مرکزی حکومت میں ایک نئے وزیر کو شامل کریں گے۔ آج سات بجے وزیر اعظم کی کوٹھی پر

لیکن اس کے آگے گد گد آچارجی کو کسی نے نہ سنا۔ تمام سابق وزراء اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کلب کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے وہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ہر وزیر یہ چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے کلب سے باہر نکل جائے۔ دھکم دھکا۔ دھینگا مشتی۔ کا وہ عالم تھا کہ مچھلی مارکیٹ کا گمان ہوتا تھا۔ کئی موٹے موٹے پیٹ والے وزیر روندے جا چکے تھے اور زمین پر پڑے چلا رہے تھے اور رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ گد گد آچارجی نے تین چار مرتبہ کہا پھر یکایک انہیں کچھ یاد آ گیا۔ اور وہ بھی اسٹیج پر اپنی تقریر کا مسوّدہ پھینک کر اتنی لمبی چھلانگ لگائی جو اس عمر کے آدمی کے واسطے کم از کم ناممکن تھی۔ ہال کے دروازے پر پہونچ گئے۔ اور تیر کی طرح تمام وزیروں کے درمیان سے گذر گئے۔

تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وزیروں کے کلب میں بالکل سنّاٹا تھا۔ کرسیاں ٹوٹی پڑی تھیں۔ صوفے اوندھے تھے۔ دو تین وزیر زمین پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے اور اسپتال کی امبولینس کا انتظار کر رہے تھے۔ باہر سڑک پر وزیروں

کا جھمکٹا لگا ہوا تھا - وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے وزیراعظم کی کوٹھی کی طرف بھاگ رہے تھے۔

لیجئے گوشت بھی ختم ہو گیا اور آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا الگو رام بھی کھانا کھا چلا گیا - خیر! اس کی بات تو ختم ہی تھی - اور یہ جب اس ڈربے میں آگیا تو مجھے اس کا گذرا وقت یاد آگیا - ورنہ جو بات میں آپ کو سنانے والا تھا وہ کچھ اور تھی - ایک دن کی بات ہے کہ --- آں آں ---------- آپ کدھر چلے

ارے بھائی بل تو دیتے جایئے --------

بچن سنگھ

لکنگ روڈ کے اڈے پر تین ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ان کی طرف غور سے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور ابھی فیصلہ نہ کیا تھا کہ کس میں بیٹھوں کہ اتنے میں ایک آواز آئی "ادھر آؤ جی اپنے بچن سنگھ کی ٹیکسی میں بیٹھو۔ ادھر منہ اٹھائے ہوئے کدھر بھاگے جا رہے ہو بادشاہو!"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹیکسیوں کے اڈے کے بالکل سامنے ایرانی ریسٹورنٹ میں ایک دبلا پتلا تیز لہجہ اور شریر آنکھوں والا سردار بچن سنگھ اپنی ٹیکسی سے ہاتھ نکالے اپنی طرف بلا رہا تھا اور منہ کھولے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

بچن سنگھ کی صورت جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ چاہے آپ نے انہیں زندگی میں پہلی بار کبھی نہ دیکھی ہوں لیکن پہلی ہی ملاقات میں ایسا معلوم پڑتا ہے کہ برسوں کی ملاقات ہے۔ میں جلدی سے دروازہ کھول کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے سے قبل ہی بچن سنگھ نے میٹر ڈاؤن کر دیا تھا اور لکنگ روڈ سے ریس کورس روڈ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

آپ شاید مجھے بھول گئے ؟ اس دن آپ مجھے اپنے گھر لے گئے تھے۔ کوئی تین ما
کی بات ہے۔

مجھے معلوم تھا کہ میں نہ اسے کبھی گھر لیے گیا ہوں اور نہ ہی کبھی اس سے پہلے اس کی ٹیکسی میں بیٹھا ہوں۔ مگر مجھے کہنا ہی پڑا ہاں ہاں یاد آیا کہیے بچن جی مزاج تو اچھے ہیں ؟

واہ گورو کی مہربانی ہے۔ مگر آپ تو مجھے بھول ہی گئے تھے اور کسی دوسر ٹیکسی میں بیٹھنے والے تھے بچن سنگھ کچھ خفا ہو کر بولا۔ مگر میں تو اپنے گاہکوں کو پہچانتا ہوں۔ ایک بار صورت دیکھ لوں تو زندگی بھر نہیں بھولتا۔ یاد ہے کہ آپ نے کی ایک سہانی شام کو چوپاٹی سے ایک لڑکی اٹھائی تھی۔ مس لوناوالا اس کا نام تھا کے دو بجے میں اسے آپ کی مس لوناوالا کو پارسی چوک میں چھوڑ آیا تھا۔ یاد ہے ؟
اب میں اس سے کیا بحث کرتا کہ چوپاٹی سے لڑکی اٹھانے کی آج تک حسر میرے دل میں ہے۔ اتنے پیسے ہی کبھی جیب میں نہ ہوئے اور پھر مس لوناوالا ؟ بیوی اگر کہیں سن لے تو مار مار کر جوتا والا بنا دے۔ مگر بچن سنگھ نے اپنی ٹیکسی ا خطرناک حالت میں ایک ٹرک سے اوور ٹیک کی کہ میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے سانس نیچے رہ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا کہ کیا یادداشت آپ کی بچن سنگھ جی کچھ بھولتے ہی نہیں ہو۔ مگر گاڑی ذرا آہستہ چلاؤ۔
بھولنے کے دن تو بچن سنگھ پیدا ہی نہیں ہوا بچن سنگھ نے خوش ہو اور اس خوشی میں گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اور پھر وہ چیز بھی اچھی تھی۔ بچن

نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا بھُنے ہوئے تیتر کی طرح خستہ ہو گی
ں؟ کہہ کر بچن سنگھ نے ایک ایسی شریر نگاہ سے مجھے دیکھا کہ میں جھینپ گیا اور
ر ٹیکسی ایک ادر ٹرک سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ بچن سنگھ ٹرک والے کو گالیاں دینے
ا دیکھ کر نہیں چلتے ہیں یہ حرامزادے۔ ابھی تیرے پیٹرول میں ایک تیلی ڈال کر پھونک
دوں گا۔ جانے کس احمق نے تجھے لائسنس دے دیا ہے۔

مگر تم تو خود ہی پیچھے دیکھ رہے تھے اور اپنے گاہک سے باتوں میں مشغول
ھ۔ لاری والا بولا وہ تو میں نے ایکسیڈنٹ بچا لیا ورنہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر بچن سنگھ نے پوری بات نہ سنی اور اپنی گاڑی آگے لے گیا۔ اور مجھ سے کہنے
۔ دیکھ لیا آپ نے۔ یہ لاری والے کتنے حرامی ہوتے ہیں۔ بے تحاشا تیز رفتار سے گاڑی
تے ہیں نہ آگے دیکھتے ہیں نہ پیچھے اور قصوروار ہم غریب ٹیکسی والوں کو ٹھہراتے ہیں۔

بے شک بے شک اس میں کیا شبہ ہے۔ میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ حالانکہ غلطی
۔ سنگھ کی تھی۔ لیکن اسے ٹوکنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔

مگر میں نے بھی سالے کی طبیعت صاف کر دی۔ اور بیچ موڑ توں منڈیا۔ بچن سنگھ
ایکدم بریک لگالئے۔ پھر بھی سامنے سے گذرتا ہوا بڈھا اس کی ٹیکسی سے ٹکراتے
اتے بچا۔

بچن سنگھ گاڑی کو ریس دیتے ہوئے بولا اگر میں گاڑی کو احتیاط سے نہ چلاتا تو
بڈھا اپنے باپ سے مل گیا ہوتا۔ ہا ہا ہا۔ آپ کو کہاں جانا ہے جی؟

میرا جی وہاں اترنے کو ہی چاہ رہا تھا لیکن آس پاس کوئی خالی ٹیکسی ملنے کی امید
نہ تھی اس لئے میں نے کہا کہ دھوبی تلاؤ چلو۔ مگر گاڑی ذرا سنبھال کر چلاؤ

بچن سنگھ کو میری صلاح پسند نہیں آئی۔ بولا آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ احتیاط تو ہر ٹیکسی ڈرائیور کے لئے ضروری ہے ایکسیڈنٹ ہو گیا تو آپ کا کیا جائے گا زیادہ سے زیادہ ایک ٹانگ ٹوٹ جائے گی مگر میری تو ٹیکسی ٹوٹ جائے گی اور ہزاروں کا نقصان الگ ہو گا۔ لائسنس الگ ضبط ہو گا اور روزگار سے بھی جاؤں گا۔ اپنے لئے تو بڑی مصیبت ہے۔ اس لئے ٹیکسی ہمیشہ بہت سنبھال کر چلاتا ہوں۔ اوہ یہ گجراتی سیٹھ کا ڈرائیور بڑا پاجی معلوم ہوتا ہے۔ میری گاڑی کو آپ کے سامنے ، دیکھا آپ نے صاف کہئے آپ کے سامنے اس نے مجھے اوور ٹیک کیا ہے نا۔ کیا میں اس کو اس طرح اپنی گاڑی اوور ٹیک کرنے دونگا سالے کو۔ سمجھتا کیا ہے۔ کیا بچن سے گاڑی آگے لے جائیگا۔

یہ کہہ کر بچن سنگھ نے ایکسی لیٹر پر جو پاؤں رکھا تو پل بھر میں بچن سنگھ کی گاڑی گجراتی سیٹھ کی گاڑی کے ساتھ ساتھ آگئی۔ اب دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ اور بچن سنگھ کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔

کیوں بے مدراسی بچن سنگھ نے گجراتی سیٹھ کے ڈرائیور سے کہا۔ تیری فیئٹ کے مڈگارڈ میں ٹکر ماروں رانگ سائڈ سے اوور ٹیک کرتا ہے۔

کیا کہتا ہے۔ مدراسی ڈرائیور نے طیش میں آکر کہا۔ رانگ سائڈ سے تم نے اوور ٹیک کیا ہماری گاڑی کو دو بار۔ ہم چپ رہا مگر ہم بھی ڈرائیور ہے کوئی حجام نہیں ہے۔ جاستی لفڑا کرے گا تو تیری مورس کا منہ توڑ کر تیرے ہاتھ میں دے دونگا۔

اس کے بعد بچن سنگھ نے نہایت نفیس پنجابی میں لوک پلک سے بھی سوئی ایسی گالی دی جو مدراسی ڈرائیور کے دل میں گھس کر اس کی سات پشتوں پر حملہ کر گئی۔ جواب میں دوسرے ڈرائیور نے جو اپنے منہ کی مشین گن کھولی تو دتی سے امرتسر تک پوری

ب قوم کا صفایا کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں گاڑیوں کی رفتار تیز ہوتی گئی
ذں گاڑیوں کے درمیان صرف چھ سات انچ کا فاصلہ تھا۔ سٹیرنگ کی ایک
سی غلطی پر پچاس میل کی رفتار سے چلنے والی گاڑیاں ایک دوسرے سے
سکتی تھیں۔

ادھر گجراتی سیٹھ کا چہرہ فق تھا ادھر میرا دل دھک تھا اور ہم دونوں
شی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ باندرہ کا چوک گذر گیا۔ باندرہ
گذر گئی۔ دونوں گاڑیاں باہم کریک پر دوڑتی ہوئی ناکے کے قریب ہوتی
۔ ناکے کے بالکل قریب آکر سڑک کے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک حصے پر
پرائیویٹ گاڑیاں چلانے کی اجازت تھی اور دوسرے پر لاریاں، بسیں
ٹیکسی گذرتی تھیں۔ مدراسی ڈرائیور گالیاں بکتے ہوئے اپنے راستے پر چلا گیا
بچن سنگھ نے ٹیکسی دھیرے کرتے ہوئے کہا۔ دیکھا آپ نے سالا بھاگ گیا
میں نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن میرے گلے سے ایسی آواز نکلی جو مرنے سے
آدمی کے گلے سے نکلتی ہے۔

چیک پوسٹ پر چوکیدار نے بچن سنگھ سے پوچھا۔ کیا رے کیا مال ہے
پاس۔

ایک درجن بوتلیں ٹھرے کی پیچھے ڈگی میں رکھی ہوئی ہیں۔ بچن سنگھ
مار کر بولا اور ایک بوتل میرے سیٹھ نے پی رکھی ہے اور دو میں نے
آئے تو سونگھ کر دیکھ لے۔

سنتری زور سے ہنسا۔ اور بولا۔ جا جا سالا مسخری کرتا ہے۔ مگر

کبھی تو پکڑا جائے گا۔ بچن سنگھ۔

ہاتھ ہلا کر سنتری نے راستہ دے دیا۔ بچن سنگھ فراٹے سے گاڑی نکال کر ماہم بازار میں لے آیا اور سیدھا شیواجی پارک جانے کے بجائے کھودا گلی میں گھس گیا۔

ادھر کدھر جاتا ہے میں نے گھبرا کر پوچھا۔

بس ایک منٹ کا کام ہے یہاں۔ بچن سنگھ نے ایک گندے چھپرے کے قریب اپنی گاڑی کھڑی کی۔

گاڑی سے اتر کر اس نے دو بار ہارن بجایا۔ چھپرے میں سے سفید بنیان اور سفید پتلون پہنے ہوئے ایک بڈھا نکلا اس کے گلے میں ایک چھوٹی سی تختی لگی ہوئی تھی۔

ڈگی کھول کر بچن سنگھ نے بوڑھے کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھما دیا جب بوڑھے نے تھیلا اپنے ہاتھ میں لیا تو مجھے بوتلیں ٹکرانے کی آواز آئی۔ پوری بارہ ہیں۔ بچن سنگھ نے کہا۔

بوڑھے نے اپنی پتلون سے ہاتھ نکال کر بڑی رازداری سے بچن سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے۔ پھر بچن سنگھ کا ہاتھ جلدی سے اپنی جیب میں چلا گیا اور بڈھے کا ہاتھ باہر ہی رہا۔ جلدی سے بچن نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کھودا گلی سے درشن لین سے ہو کر کیڈیل روڈ ہو کر شیوا جی پارک کے چوک پر آ گیا۔ دس منٹ کا راستہ کوئی دو منٹ میں طے کیا۔

اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہوا۔ کبھی کبھی سچ بولنے سے بڑا فائدہ ہو جاتا

ہے - وہ سپاہی میرے سچ کو جھوٹ سمجھا اور دھوکا کھا گیا - کدھر سے چلوں - خدا داد سرکل سے یا پورچ سرکل سے - پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا - دادر سے جے جے اسپتال تک بہت رش ہوتا ہے - اس لئے پورٹ ٹرسٹ گیٹ چرچ سے چلوں گا راستہ بھی کھلا ملے گا - اور - - - - - - -

میں نے ذرا سختی سے اسے ٹوک کر کہا جدھر سے راستہ کھلا ملے ادھر سے چلو مگر سنبھال کر چلو -

سنبھل کر چلنا تو ضرور ہے بچن سنگھ بڑی سنجیدگی سے بولا - اور گاڑی تو میں ایسے سنبھال کر چلاتا ہوں کہ دوسرے ڈرائیور میرا مذاق اڑاتے ہیں - بولتے ہیں کہ تو تو بالکل چوہے کی طرح ڈرپوک ہے -

میں نے دل میں سوچا کہ اگر یہ ڈرائیور چوہا ہے تو شیروں کی رفتار کا کیا عالم ہوگا - مگر میں نے اس سے کچھ نہیں کہا - بچن سنگھ ذرا سنجیدہ ہوکر چالیس کی رفتار سے گاڑی چلانے لگا -

اتفاق سے راستہ صاف تھا کسے اوورٹیک کرنے کی کوشش کرتا - اس نے سٹیرنگ سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھالئے اور سامنے کے آئینے کو ترچھا کرکے اپنی پگڑی ٹھیک کرنے لگا - سامنے سے ایک ٹرک چلا آرہا تھا - قریب اور بالکل قریب آگیا -

میں نے فوراً چیخ کر کہا - کیا کرتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟

بچن سنگھ نے سٹیرنگ سنبھالا - اور سامنے سے آنے والا ٹرک ایک فٹ کے فاصلے سے چیختا ہوا نکل گیا جس سے ساری زمین کانپ گئی - میرے چہرے

سے پسینے کے پھوارے چھوٹنے لگے۔ میں نے جیب سے اپنا رومال نکالا اور ۔
کے قطرے اپنے منہ سے پوچھنے لگا۔

بچن سنگھ ہنس کر بولا اس کی آواز میں تھوڑی سی حقارت بھی تھی
بابو جی! آج مرنا کل مرنا پھر مرنے سے کیا ڈرنا؟ اگر موت آئی ہوگی تو گھر پر
بیٹھے بیٹھے مر جاؤ گے اور اگر موت نہ آئی ہوگی تو یہ ٹیکسی تو کیا پہاڑ سے کو
کر بھی نہ مر سکو گے۔ بچن سنگھ نے یہ کہہ کر گاڑی کی رفتار ساٹھ میل کر دی او
لہک لہک کر گانے لگا۔

بنتو والک پتلا

میں نے دل میں سوچا بنتو کی کمر پتلی نہیں ہے۔ اپنی قسمت ہی پتلی بلکہ نہ ہو
کے برابر دکھائی دیتی ہے۔ کس طرح سے اس ٹیکسی ڈرائیور سے جان بچ
تو سائیں بابا کے قدموں میں سوا روپیہ کی مٹھائی بانٹوں گا۔

اچانک بچن سنگھ نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ مجھے حیرت کا ایک
دھچکا لگا۔ وہ میری طرف مڑ کر بولا۔ آپ نے دیکھا؟ میں نے کہا کیا؟ و
اولڈ موبائل پیچھے رہ گئی ہے اس میں کیا تھا؟ تھا نہیں تھی۔

کیا تھی؟ میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ویسے بھی جھٹکے کھاتے کھاتے
ہمارے ذہن میں موت کے سوائے کوئی اور خیال نہ رہ گیا تھا۔

لڑکی۔ بچن سنگھ نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔ دیکھئے وہ اب مجھے اوو
کرے گی ذرا دھیان سے دیکھئے گا۔

میں نے غور سے دیکھا۔ ایک لڑکی تھی ایک گاڑی۔ دونوں ایک دو

ہیں گذشتہ ہونے کی کوشش کر رہے تھے

عمدہ مال ہے۔ بچن سنگھ نے کھلکھلاتے ہوئے کہا۔ نئے ماڈل کی شیورلیٹ معلوم ہوتی ہے۔

ہم گاڑی کے بارے میں بات کر رہے ہو۔ میں نے پوچھا۔

نہیں۔ میں تو لڑکی کے بارے میں بتلا رہا ہوں۔ بچن سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔ لیجئے میں پھر آپ کو دکھاتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ گاڑی کو ریس دے کر پھر آگے لے آیا۔ اب اس کی گاڑی لڑکی کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

لڑکی نے ایک لمحہ کے لئے سامنے سے نگاہ ہٹا کر ہماری طرف دیکھا اس نخرے سے جیسے کوئی بڑھیا نسل کی کتیا گلی کے کتوں کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر اس کی گاڑی آگے نکل گئی۔

ہے نہ فرسٹ کلاس؟ بچن سنگھ نے مجھ سے پوچھا۔

ایک دم ہائی کلاس۔ میں نے حامی بھری۔

اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ بچن سنگھ نے مجھے مشورہ دیا۔

ارے نہیں بھائی۔ مجھے جلدی ہے اور ایک پیشی کے سلسلے میں اسمال کاز رٹ بھرنا ہے نہیں تو مالک مکان ترقی کروالے گا۔

بچن سنگھ نے گھڑی دیکھ کر کہا کہ ابھی تو عدالت کھلنے میں چالیس منٹ باقی ہیں جب تک تو ہم اس لڑکی کا گھر معلوم کر کے پوری بند ہو سکتے

ہیں۔ ہمت کر جاؤ بابو۔

نہیں بھائی۔ تم سیدھے چلو اس وقت۔ میں نے بالکل زچ ہو کر کہا۔ تمہ
لڑکی کی پڑی ہے یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔ اور اپنی گاڑی ذرا آہستہ چلا
بالکل آہستہ۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ چاہے عدالت میں پانچ دس منٹ
سے پہونچیں۔

بچن سنگھ کو میری بزدلی پر بے حد قلق ہوا۔ دھیرے سے سر ہلا
بڑے افسوس سے بولا۔ تمہاری مرضی سیٹھ۔ نہیں تو ایسی لڑکی بمبئی میں
اب نہیں ملے گی۔ کیا اسٹیرلائن باڈی ہے اور کیا پالش کیا ہوا ہے۔ یہاں
گیئر میں ڈالوں تو نریمان پوائنٹ تک بغیر پیٹرول کے چلی جائے گی۔

مجھے اس لڑکی کا پیچھا نہیں کرنا ہے بچن سنگھ۔ میں نے جھنجلا کر کہ
کسی طرح جلدی سے تم مجھے عدالت پہونچا دو تو میں تمہیں دو روپیہ انعام
نہیں تو گاڑی روک کر مجھے یہیں اتار دو۔

صاحب کتنی بار آپ کا نمک کھایا ہے آپ کو یہاں کیسے چھوڑ
بچن سنگھ نے بڑے ہمدردی سے مجھ سے کہا۔ آپ کو عدالت اور عدا
سے گھر چھوڑ کر آئے گا صاحب۔ بھاڑ میں۔

میں بھاڑ میں نہیں رہتا میری سات پشتوں سے آج تک کوئ
میں نہیں رہا۔ میں نے دانت پیس کر کہا۔

بچن سنگھ نے میری طرف سے منہ موڑ لیا اور گاڑی کی رفتار تیز
لڑکی کی گاڑی سے آگے نکل گیا اور بائیکلا کی طرف جاتے ہوئے اس

لاریوں، لبسوں، ٹرکوں اور گاڑیوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک بار بھی مڑ کر اس
نے مجھ سے بات نہیں کی۔ اب وہ یقیناً مجھ سے ناراض تھا۔ بائیکھلا پہونچکر
میں نے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف نگاہ دوڑائی مگر اڈہ پر کوئی ٹیکسی نہیں تھی
نہیں تو میں اتر کر دوسری ٹیکسی پکڑ لیتا۔

بدقسمتی سے اس وقت صبح کا وقت تھا یعنی دفتروں، کچہریوں، کارخانوں
اور عدالتوں میں جانے کا وقت تھا۔ ایسے وقت پر دوسری ٹیکسی کہاں سے ملتی۔
میں مجبوراً جل بھن کر اور ٹھیک لگا کر اسی ٹیکسی میں بیٹھا رہا۔

بائیکھلا کے چوک پر بڑی بھیڑ تھی۔ ہماری ٹیکسی کے آگے گاڑیوں،
لاریوں کا ایک ہجوم تھا۔ ایک طرف ٹرام پٹہ تھا دوسری طرف لبسیں۔ درمیان
میں راستے کی ایک پتلی سی سرنگ بن گئی تھی اتنی چھوٹی کہ اس میں سے کسی
چھوٹی سی چھوٹی گاڑی کا گذر بھی مشکل تھا۔ کچھ دیر تک تو بچن سنگھ اگلی
گاڑیوں کو ہارن پر ہارن دیتا رہا۔ پھر اس نے اپنی گاڑی بڑی صفائی سے گھما
لائن سے باہر نکال کر سرنگ کے اندر ڈال دی۔

میرے دائیں بائیں لبسیں اور ٹرامیں خوفناک انداز سے گھڑگھڑاتی
ہوئی گذر رہی تھیں اس سرنگ میں ہماری ٹیکسی ایک چھوٹی سی چیونٹی کی طرح
گتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

لبسوں اور ٹراموں کے درمیان گذرتے ہوئے ہماری ٹیکسی کا
فاصلہ چھ انچ تھا۔ پھر چار انچ کا فاصلہ رہ گیا۔ پھر ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ڈر
کے مارے میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے اور سارے بدن سے پسینہ

پھوٹ پڑا۔

دیکھا آپ نے۔ بچن سنگھ اپنی ناراضگی بھول گیا۔ اور جیتے ہوئے کھلاڑی کی طرح میری طرف دیکھ کر بولا۔ دیکھا آپ نے۔

میں نے دیکھا لیکن اس نے نہیں دیکھا۔ بائیں طرف سے ریلوے انڈر برج کے پل سے ایک ٹرک بڑے زور سے گھوں گھوں کرتا سائڈ سے چلا آ رہا تھا میں نے چلا کر کہا بریک لگاؤ۔ اور خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

جب میں نے آنکھیں کھولیں تو لوگ مجھے اسٹریچر پر ڈال کر اسپتال لے جا رہے تھے۔ میرے ساتھ والے اسٹریچر پر بچن سنگھ بہت بری حالت میں پڑا تھا۔ جگہ جگہ اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر بولا۔ بابو تیری غلطی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اگر میں بریک نہ لگاتا تو اپنی گاڑی کو صاف بچا کر لے گیا ہوتا۔ پھر اسپتال کے عملے کو دیکھ کر بولا۔ تیز تیز چلو دیکھتے نہیں ہو۔ بابو کا اسٹریچر میرے اسٹریچر کو اوورٹیک کر رہا ہے۔

بلّی اور وزیر

جناب ادیادھمیہ کا ارادہ وزیر بننے کا نہیں تھا۔ وہ گلی شاہدرہ میں ایک معمولی حکیم تھے۔ گل قند، معجون، جواہر مہرہ اور کشتہ بیچتے تھے۔ مگر قصہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ چیف منسٹر کے بھانجے کو جس کا اسی گلی میں کوئلہ کا ڈپو تھا۔ پیچش ہو گئی۔ اور اس کی یہ بیماری حکیم ادیادھمیہ کے علاج سے ٹھیک ہو گئی۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں چیف منسٹر سے حکیم کی تعریف کر دی۔ چیف منسٹر کو بہت دنوں سے بواسیر کی شکایت تھی اور کسی طرح ٹھیک نہ ہوتی تھی۔ چیف منسٹر نے اپنے بھانجے کی معرفت حکیم کو بلا بھیجا۔

ان کا علاج شروع کر دیا گیا۔ بدقسمتی سے چیف منسٹر کی بیماری حکیم کے علاج سے چھ مہینے میں ہی اچھی ہو گئی۔ اب کیا تھا۔ حکیم ادیادھمیہ چیف منسٹر کے خاندانی حکیم بن گئے۔ اور ان کی گنتی چیف منسٹر کے آدمیوں میں ہونے لگی۔ حکیم صاحب کی حکمت اتنی چلی کہ انہیں ایک سال میں اپنے مریضوں کو دیکھنے کے لیے گاڑی خریدنا پڑی۔ گھر سے بنگلے میں رہنا پڑا۔ بنگلے میں ٹیلیفون لگانا پڑا۔ بنگلہ

میں اکاؤنٹ کھولنا پڑا۔ مطلب یہ کہ چیف منسٹر کی دوستی حکیم صاحب کو اچھی خاصی مصیبت میں مبتلا کر گئی۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ حکومت کے آدمی جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں پھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ایک دن حکیم جی کو چیف منسٹر نے بلایا اور کہا۔ آپ تو اپنے آدمی ہیں۔ آپ کیوں نہ عوامی بہبود کے محکمے کے سیکریٹری بن جائیں۔ حکیم جی نے بہت انکار کیا۔ بولے سرکار میں آج کل ماؤ اللحم اور کشمش ملا کر ایک نئی دوا تیار کر رہا ہوں یوں سمجھئے کہ حکمت میں دید مو کا پیوند لگا رہا ہوں۔ دیکھئے اب اس ملاوٹ سے کونسی نئی چیز بنتی ہے۔

کون سی چیز بنے گی۔ چیف منسٹر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ اس پر چیف منسٹر حیران ہو کر بولے! مگر یہ جو نئی دوا آپ ایجاد کر رہے ہیں آپ کو نہیں معلوم کہ کس مرض کیلئے ہو گی۔

یہ بھی معلوم نہیں۔ حکیم صاحب نے سٹپٹاتے ہوئے کہا۔ دراصل بات یہ ہے سرکار کہ انگریزی علاج میں پہلے بیماری ڈھونڈی جاتی ہے بعد میں اس کا علاج ہاتھ لگتا ہے۔ اور ہم لوگ پہلے دوا بناتے ہیں بعد میں بیماری ڈھونڈتے ہیں۔

تو بالکل ٹھیک ہے۔ چیف منسٹر نے سر ہلا کر کہا۔

آپ پہلے عوامی بہبود کے سیکریٹری بن جائیں بعد میں آپ کے لئے کام ڈھونڈ لیا جائے گا۔

چنانچہ جناب بہت انکار و اصرار کے بعد حکیم جی عوامی بہبود کے سیکریٹری بن گئے۔ کیونکہ وہ چیف منسٹر کے اپنے آدمی تھے۔ پھر جب اسمبلی کے الیکشن کا زمانہ

آیا تو چیف منسٹر نے انہیں پھر بلا بھیجا اور کہا۔ حکیم جی۔ عوامی بہبود کے لوگ آپ کے کام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔

حکیم جی نے حیران ہو کر کہا مگر سرکار میں تو ایک دن بھی دفتر نہیں گیا۔

یہی تو قابل تعریف بات ہے۔ چیف منسٹر نے سر ہلا کر کہا۔ دیکھیے آجکل الیکشن سر پر آرہا ہے میرے خیال میں آپ اسمبلی کی نشست کے لئے درخواست دے دیں آپ اپنے آدمی ہیں اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر جناب حکیم جی نے بے حد پریشان ہو کر کہا میں ان دنوں بہت مصروف ہوں اور آپ کے جوائنٹ سیکریٹری جناب گرما برما ناتھ کا علاج کر رہا ہوں

انہیں کیا بیماری ہے۔ چیف منسٹر نے پوچھا۔

بیماری تو انہیں وہ ہے جو میں ان کی بیوی کو بھی نہیں تبلا سکتا۔ آپ خود سمجھ جائیے۔

چیف منسٹر کی آنکھوں میں شرارت کی چمک اٹھی۔ رازدارانہ انداز میں بولے تو آپ ان کا علاج تو ٹھیک طرح سے کر رہے ہیں نا۔

علاج تو پوری توجہ سے کر رہا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا علاج دوں۔ اصل میں اس بیماری کا علاج صرف سنکھیا ہے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کتنا سنکھیا کھلاؤں۔ جس سے ان کی بیماری تو ختم ہو جائے لیکن وہ خود نہ مریں۔ اگر سنکھیا کم دیتا ہوں تو ان کی بیماری نہیں جاتی ہے اور اگر زیادہ دیتا ہوں تو کہیں وہ خود ہی نہ مر جائیں

مرنا جینا تو بھگوان کے ہاتھ میں ہے۔ چیف منسٹر نے کہا۔ مگر الیکشن تو

اپنے ہاتھ میں ہے اس لئے آپ دیر نہ کیجئے آپ، اسی الیکشن میں کھڑے ہوجائیں آپ اپنے آدمی ہیں اور ۔۔۔۔۔۔

چنانچہ جناب حکیم ادیب صاحب جی اسمبلی کا الیکشن جیت گئے اور اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ پھر جب چیف منسٹر صاحب اپنی وزارت بنانے لگے تو انہیں اپنے آدمیوں کی ضرورت پڑی اس لئے انہوں نے حکیم جی کو ایکسپورٹ کے محکمے کا وزیر بنا دیا اور ساتھ ہی محکمہ جنگلات بھی ان ہی کے سپرد کر دیا کیوں کہ ہر قسم کی جڑی بوٹیوں کی تلاش جنگل میں ہوتی ہے۔

حکیم جی نے وزیر بننے سے بہت انکار کیا اول تو ان کی بیوی گیارہویں بچے کو جنم دینے والی تھی پھر ان دنوں وہ ایک رئیس اور ایک کارخانے دار کے لئے سچے موتی اور جواہرات کا کشتہ بنانے میں مشغول تھے مگر چیف منسٹر نے ان کی ایک نہ مانی بولے! آپ یہ بھی تو سوچئے اب ان میں کوئی ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی بیماری نہ ہو۔ کسی کا سر ہلتا ہے تو کوئی دمہ کا شکار رہے۔ کسی کو دل کا دورہ پڑتا ہے، تو کوئی ہائی بلڈ پریشر میں مبتلا ہے۔ اس لئے وزارت میں کسی نہ کسی حکیم کا ہونا بہت ضروری ہے آپ اپنے آدمی ہیں اور ۔۔۔۔۔۔

بے شک، بے شک چیف منسٹر کے پرائیویٹ سیکریٹری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

حکیم جی وزیر تو بن گئے لیکن وہ اس تقرری پر خوش نہ تھے اول تو انہیں انگریزی بالکل نہ آتی تھی پھر وہ ہندی، اردو بھی کام چلاؤ جانتے تھے۔ اس لئے وزارت کا سارا کام انہوں نے سیکریٹری کے سپرد کر رکھا تھا۔ اور خود دوسرے

وزیروں کے علاج میں لگے رہتے تھے ۔ اور سچ پوچھو تو ان کی عظمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ انہیں وزارت کا کام کرنے کی فرصت بھی نہ ملتی تھی۔

ایک دن دوپہر کے وقت آسمان کا رنگ، گلاب کی طرح نکھرا ہوا تھا۔ اور زمین ترپھلا کی طرح پیلی اور بھورے رنگ کی تھی۔ حکیم جی اپنی کھرل میں کشتہ عنبری مربائی والا گھونٹ رہے تھے کہ چیف منسٹر کا پرائیویٹ سکریٹری ان کے پاس آیا اور کہنے لگا ابھی چلئے فوراً چیف منسٹر صاحب نے بلایا ہے۔ بہت ضروری کام ہے۔

کیا انھیں دل کا دورہ پھر پڑ گیا ہے؟ حکیم جی پریشان ہو کر بولے۔

نہیں دورہ نہیں ہے پرائیویٹ سیکریٹری بولا۔

تو پھر میں کون سی دوا اپنے ساتھ لے چلوں جلدی سے بتلائیے انہیں کیا بیماری ہے۔

کوئی بیماری نہیں ہے۔ پرائیویٹ سیکریٹری نے پریشان ہو کر کہا۔ ایک سرکاری کام ہے۔

سرکاری کام ہے تو میرے وزارت کے پرنسپل سیکریٹری جناب جتیندر ناتھ کو بلا لیجئے۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ میں اس کھرل میں کتنی قیمتی دوا گھونٹ رہا ہوں۔

چیف منسٹر کے پرائیویٹ سیکریٹری نے بڑی خوشامد کی آخر بڑی مشکل سے حکیم جی کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

جب حکیم جی چیف منسٹر کی کوٹھی پر پہونچے تو وہاں خوشامدیوں کی بڑی

بیٹھے رہتی۔ بڑی مشکل سے چیف منسٹر نے سب سے چھٹکارہ حاصل کیا اور پھر حکیم جی سے مخاطب ہو کر بولے۔ وزارت خطرے میں ہے۔ میری یا آپ کی۔ حکیم جی نے پوچھا سب کی۔ اور اگر اس وقت آپ نے میری مدد نہ کی تو میں مارا جاؤں گا۔ حکیم جی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ میں آپ کا اپنا آدمی ہوں۔ کس دن کام آؤں گا۔ اس کم بخت کا نام تبا دیجئے جس نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ میں شہر کے غنڈوں کو جانتا ہوں اور جا تو کھا ایسے دو دار سے۔۔۔۔

نہیں آپ بات کو نہیں سمجھے۔ یہ غنڈوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو کرنا ہوگا۔ یہ کام تو میں نے کبھی نہیں کیا۔ آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں لیکن کسی کی جان لینا۔ چیف منسٹر صاحب ہنس کر بولے۔ آپ بھی عجیب آدمی ہیں میں کہاں کسی کی جان لینے کو کہہ رہا ہوں۔ تو پھر کونسا کام۔

"قومی بچت" ہاں قومی بچت۔ آجکل قومی بچت کا خیال مرکزی سرکار کے سر پر بھوت بن کر سوار ہے۔ گزشتہ ایک ماہ سے برابر خط آرہے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے مجھے دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر میں نے قومی بچت میں تعاون نہ کیا تو میری وزارت ختم کر دی جائے گی۔

یہ قومی بچت کیا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بیچارے سرکاری کاموں سے بہت گھبراتے تھے مطلب یہ ہے کہ قومی بچت کرنا سرکاری خرچ میں کمی کرنا ہے اگر دس روپیہ کا کام ہو تو اسے پانچ روپیہ میں پورا کر لینا۔ اگر کام میں دس آدمیوں کی ضرورت ہے تو اسے دو آدمیوں سے چلا لینا۔ اس طرح کی تگڑم کو قومی بچت کہتے ہیں۔

تو آپ وزیروں کی تنخواہ کم کر دیجئے۔

وزیروں کی تنخواہ تو پہلے ہی کم ہو گئی ہے اب اور کیا کم ہو گی۔ چیف منسٹر نے گھگیا کر کہا۔

تو آپ وزیر کم کر دیجئے۔ میرا استعفیٰ حاضر ہے۔ حکیم جی خوش ہو کر بولے۔

ایک وزیر کم کرنے سے کیا ہوگا۔

تو میرے محکمہ میں پندرہ سیکریٹری ہیں انہیں گھٹا کر سات کر دیجئے۔

سات آدمیوں کی بچت سے کیا بھلا ہوگا۔ چیف منسٹر صاحب اداس ہو کر بولے اور نیچے جائیے چیف منسٹر نے مشورہ دیا۔

تو محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ آدھے کر دیجئے ساٹھ کے تیس رکھئے۔

تیس کی بچت سے بھی کیا ہوگا۔ اور نیچے جائیے۔

حکیم جی اور نیچے ہو گئے اور کلرک سے لے کر چپراسی تک پہونچے۔ چیف منسٹر کی باچھیں کھل اٹھیں۔ انہوں نے فوراً حکیم جی کو گلے سے لگا لیا۔ بولے آپ اب کچھ وزیر ہوتے جا رہے ہیں۔ دراصل ہم لوگوں یعنی وزیر لوگوں کو عام سطح پر سوچنا چاہئے۔ میرا خیال ہے اب آپ کا ایک دورہ بھی ہو جائے۔

دورہ۔ مجھے تو دل کا دورہ نہیں پڑتا۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں

میرا مطلب علاقے کے دورے سے ہے۔ آپ تین تال کا ایک چکر لگا لیجئے تین تال ہرا بھرا پہاڑی علاقہ ہے۔ آپ نے ابھی تک اپنے علاقہ کا دورہ بھی تو نہیں کیا۔ اس وجہ سے دوسرے وزیروں کو آپ سے شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ لہٰذا آپ تین تال کا دورہ کر آئیے۔ اور وہاں بیٹھ کر قومی بچت کے سلسلے میں اچھی طرح سوچ لیں۔ اور اگر موقع ملے تو وہاں مقامی طور پر بھی قومی بچت کرنے کی کوشش

کریں۔ اس بارے میں۔ میں آپ کو پورا پورا اختیار دیتا ہوں۔

باتیں کرتے کرتے دوپہر سے شام ہو گئی۔ جب حکیم جی چیف منسٹر کی کوٹھی سے باہر نکلے تو انہوں نے تین تال جانے کا اور وہاں بیٹھ کر قومی بجٹ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ بے حد خوش تھے چیف منسٹر کے بنگلے سے باہر نکلے اس وقت شام ہو چکی تھی۔ مغرب کی طرف آسمان میں سرخ رنگ تربوز کے شربت کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ اور کہیں کہیں تارے نکلے ہوئے تھے۔

محکمۂ جنگل کے کنزرویٹو ٹھاکر منونت سنگھ بڑے عمدہ شکاری تھے۔ پرانے تجربہ کار تھے۔ انگریزوں کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حکیم جی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تین تال کے لوٹ کلب میں انہیں شاندار دعوت دی۔ مہارانی باندی پور نے انہیں اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور مہاراجہ غلام پور انہیں سیر و تفریح کرنے لے گئے۔ جب یہ دورہ پورا ہو گیا اور حکیم جی نے تین تال کے جنگلات دیکھنے چاہے تو ٹھاکر منونت سنگھ نے راجہ آف بانسی پور سے کہہ کر ایک ہاتھی کا انتظام کیا اور ٹھاکر صاحب حکیم جی کو ایک ہفتہ تک تین تال کے جنگلوں کا دورہ کرواتے رہے ٹھاکر صاحب کو شکار کا بہت شوق تھا۔ انگریزوں کے زمانہ میں جنگل کے چیف کنزرویٹو کو ایک ہاتھی سواری کیلئے ملا کرتا تھا۔ لیکن آزادی کے بعد ہاتھی بجٹ میں آ گیا۔ اس کا ٹھاکر کو بہت غم تھا۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ دو چار مرتبہ انہوں نے کوشش کی ایک مرتبہ چیف منسٹر سے بھی ملے لیکن ہاتھی برابر کھٹائی میں پڑا رہا۔

حکیم جی کو البتہ شکار سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے ٹھاکر صاحب ہائے

وہ چیتیا نکل گیا کہہ کر ہاتھ ملتے - حکیم جی زور سے چلایا۔ آپ نے وہ جھاڑی دیکھی کون سی - ٹھاکر اپنی ناامیدی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہتا -

وہ جس پر چھوٹے چھوٹے سنہرے رنگ کے پھول لگے ہوئے ہیں - اس کے بعد حکیم جی ہاتھی سے نیچے اترتے اور جنگل سے پھول توڑ کر ٹھاکر سے کہتے دیکھئے ہم لوگ اسے کٹ بیری کہتے ہیں -

عجب جھمیلا ہے - میرے خیال سے یہ آملے کا پیڑ ہے - جی ہاں! وہی تو ہے - بڑے کام کی چیز ہے - اس کے فائدے - اس کے بعد حکیم جی نے ہاتھی پر چڑھ کر جو آملے کے فائدے گنوانا شروع کئے تو جی جی کہہ کر ٹھاکر کو کچھ نیند سی آنے لگی اتنے میں ٹھاکر صاحب نے جھاڑی کے نیچے ایک ریچھ دیکھا اور مارے خوشی کے اپنی رائفل پھر سیدھی کی یکایک حکیم جی نے زور سے چلا کر کہا ہاتھی روکئے، ہاتھی روکئے ٹھاکر نے اپنی رائفل نیچی کر لی اور غصے سے بولے نیچے تو ریچھ ہے -

حکیم جی ہنس کر بولے نہیں ٹھاکر جی - نیچے ایک بوٹی ہے - بہت ہی خاص قسم کی - مجھے نظر آ گئی ہے دیکھئے وہ - ہاتھی کو روکئے نیچے اتر کر آپ کو دکھاتا ہوں - اور جب تک ریچھ بھاگ گیا ٹھاکر صاحب نے دل ہی دل میں تو نہ جانے کیا کیا کہا ہوگا - لیکن ظاہر میں بڑے آرام سے ہاتھی رکوایا حکیم جی ہاتھی سے نیچے اتر گئے اور ایک سوکھی جھاڑی کے پاس رک گئے اور بولے دیکھئے یہ ہے بہت قیمتی بوٹی - یہ سوکھو مارل بوٹی ہے بڑی لاجواب بوٹی ہے - اس بوٹی کو اگر آملے کے تیل میں تین سال تک رکھا جائے اس کے بعد دمہ کے بیمار کو کھلایا جائے تو مریض دو دن میں تندرست ہو جائے -

ٹھاکر کے دل میں خیال آیا کہ بوٹی تین سال تک آملے کے تیل میں رہے گی جب تک چاہے دمے کا مریض مر ہی گیا ہو۔ مگر وزیر دل سے اس طرح کے سوال کرنا اصول کے خلاف ہے۔ بلکہ سوال نہ کرنا بھی ایک قومی بچت ہے۔

سات دن کے دورے کے بعد جناب اور پادھیہ صاحب ترائی کے جنگلوں سے واپس آکر پھر تین تال میں ٹِک گئے۔ ان کا مطلب پورا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہلدی، زیرہ، آملہ، بنفشہ اور اسی طرح کی ڈیڑھ سو نایاب بوٹیاں جمع کر لی تھیں۔ ٹھاکر کا ٹرپ بھی برا نہ تھا۔ وزیر کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے دو شیر شکار کر لئے تھے۔

حکیم جی ٹھاکر کے کام سے مطمئن ہو کر بولے۔ ٹھاکر جی آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے یہاں۔

ٹھاکر صاحب بولے۔ شرمیان جی! سب ٹھیک ہے سب اچھا ہے۔ بس ایک ہی تکلیف ہے اور وہ یہ کہ ترائی کے جنگل تو خود آپ نے اپنی آنکھوں سے د ان جنگلوں میں جب گھوڑے پر سوار ہو کر دورے پر جاتا ہوں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

مگر مجھے تو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ حکیم نے بڑے تعجب سے کہا

آپ تو ہاتھی پر تھے نا۔ ٹھاکر نے کہا۔

تو آپ بھی ہاتھی پر جائیے کس نے منع کیا ہے آپ کو

کبھی کبھار اپنے میل جول سے ہاتھی منگوا لیتا ہوں کسی جاننے والے راجہ سے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ کبھی دیتے ہیں۔ کبھی

دیتے۔ ہاتھی تو دراصل سرکاری ہونا چاہیے۔

آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ حکیم جی نے سر ہلا کر کہا۔ اتنے گھنے جنگلوں میں ہاتھی کے بغیر جانا سرکاری ملازم کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے۔

بے شک، بے شک ٹھاکر نہایت ہی سنجیدہ ہو کر بولے۔

ہاتھی کتنے کا آئے گا۔ حکیم جی نے بہت سوچ کر کہا۔

ٹھاکر بولے۔ اچھا ہاتھی کوئی دس ہزار کا آئے گا۔ مگر ان دنوں اتفاق سے راجہ آف پالسن پور کا ہاتھی پانچ ہزار میں مل رہا ہے۔

آپ لے لیجیے میں منظوری دے دیتا ہوں۔

ٹھاکر صاحب نے کاغذات تو پہلے ہی جیب میں تیار کر رکھے تھے فوراً آگے بڑھا دیے اپنا قلم پیش کیا اور ایک لمحے میں پانچ ہزار کا ہاتھی منظور ہو گیا۔

پھر دعوتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ چل نکلا پھر کچھ ایسی مصروفیت رہی کہ پورے دس روز تک حکیم جی کو یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ یہاں کس سلسلے میں آئے ہیں۔ یکایک رات کو خیال آیا کہ وہ یہاں قومی بجٹ کرنے کے سلسلے میں آئے تھے سوچتے ہی ان کے ماتھے سے پسینے کے دھارے پھوٹنے لگے کیوں کہ آدمی سیدھے تھے اور نیک بھی اور یہ نہ جانتے تھے کہ سرکاری کام کتنا مشکل ہوتا ہے۔ فوری انہوں نے ٹھاکر صاحب ٹیلیفون کر کے بلایا۔ اور ان سے کہا کہ وہ اپنے ملازموں کا رجسٹر لے کر آئیں۔ قومی بچت کی جائے گی۔

رات کو ٹھاکر صاحب تمام کاغذات لے کر پہنچ گئے۔ حکیم جی نے حکم دے کر کہا آپ مجھے زبانی سنائیے اور سمجھائیے۔

دیکھیے ایک تو میں ہوں جسے آپ نکال سکتے ہیں۔ حکیم جی ہنس کر بولے کہ چلئے چلئے ایک آدمی نکال کر کیا ہوگا۔ میرے دو آدمی میرے دو ڈپٹی کنزرویٹو ہیں جو جھ خنگلوں کو سنبھالتے ہیں۔

باپ رے سیمران کے پاس بہت کام ہوگا۔ آگے چلئے۔ میرا مطلب ہے نیچے چلئے۔

نیچے	چار اسسٹنٹ ڈپٹی کنزرویٹو
اور نیچے	بارہ رینج آفیسر
اور نیچے	اٹھائیس فارسٹ آفیسر
اور نیچے	سات ریکارڈ کلرک
اور نیچے	بلی کا دودھ نو روپیہ

حکیم جی چونک پڑے اور پوچھا یہ بلی کا دودھ کس لئے۔

ٹھاکر نے نہایت معصومیت سے کہنا شروع کیا۔ حضور ہمارے ریکارڈ آفس میں چوہے بہت ہیں۔ جو قریب کے جنگل سے آجاتے ہیں اور ریکارڈ خراب کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے سرکاری طور پر ہم نے بلی پال رکھی ہے جو ان چوہوں سے ہمارے ریکارڈ کو بچاتی رہتی ہے۔ اس کے دودھ پر ماہانہ نو روپیہ خرچ ہوتے ہیں یعنی

حکیم جی ایک دم غصے سے کھڑے ہوگئے اور جھڑک کر کہا مگر جب سات بیکاری کلرک ریکارڈ کی حفاظت نہیں کر سکتے تو پھر یہ بلی کیا کرتی ہوگی۔ نو روپیہ۔ نو روپیہ۔ حیرت ہے ٹھاکر صاحب آپ اتنے عقلمند اور تجربہ کار ہوکر یہ نہیں دیکھ سکتے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے قوم کی گاڑھے پسینے کی کمائی ایک جنگلی بلی کو دودھ پلانے

. پر مرف ہو رہی ہے۔

ٹھاکر صاحب نے شرم سے سر جھکا لیا۔ حکیم جی غصیلے لہجے میں بولے میں حکم دیتا ہوں کہ اس بلی کو فوراً ڈسمس کیا جائے

بہت بہتر۔ ٹھاکر فائل کو بند کرتے ہوئے بولے

یکایک دروازے کے قریب سے ایک آواز آئی اور حکیم جی اپنی کرسی سے اچھل پڑے۔ "میاؤں" دروازے پر ایک بلی کھڑی تھی اور للچائی ہوئی نظروں سے وزیر صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

بیوی کی محبت

جناب ایڈیٹر صاحب!

معافی چاہتا ہوں کہ اس بار آپ کے دیوالی ایڈیشن کے لئے کچھ مواد نہ بھیج سکا بات یہ ہوئی کہ جب آپ کا پہلا خط آیا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ اس سال آپ نے اپنے کچھ پرانے لکھنے والوں کو ایک ہی مضمون پر لکھنے کے لئے راضی کیا ہے اور وہ مضمون ہے

"بیوی کی محبت"

تو مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ اتفاق سے میری بیوی میرے پیچھے بیٹھی ہوئی تمام خطوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ کیونکہ مجھے ڈاک سے لڑکیوں کے خط بہت آتے ہیں۔ اس لئے بیوی سے خطوں کی نگرانی کرواتا ہوں۔ خیر! وہ الگ چیز ہے۔ موقع ملنے پر اس پر بات کروں گا۔ اس وقت تو میں یہ بتلا رہا ہوں کہ آپ کا خط پڑھ کر مجھے ہنسی آگئی تو میری بیوی نے پوچھا۔

کیوں ہنسے؟ میں نے کہا یہ ایک ایڈیٹر صاحب ہیں جو بیوی پر خاوند کا ظلم پر مضمون چاہتے ہیں۔

کس کی بیوی پر کس کے خاوند سے مضمون چاہتے ہیں۔ اس نے معلوم کیا
میں نے کہا اگر کسی دوسرے کی بیوی پر مضمون مانگا ہو تو؟
جب تو تم فوراً لکھ دیتے، وہ درمیان میں بول پڑی۔ منا رو رہا ہے میں
اسے دو طمانچے مار کر واپس آتی ہوں اور بات کرتی ہوں۔
جب وہ واپس آئی تو میں نے اپنی کرسی کھسکالی۔ اور وہ بولی کہ اب بتلاؤ؟
میں نے کہا اصل میں مجھے تم پر مضمون لکھنا ہے۔ اس لیے ہنس رہا تھا کہ ایڈیٹر
صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ شادی کے بعد خاوند کا بھی وہی برتاؤ ہو جاتا ہے۔ پھر
وہ بیچارہ جو کچھ بھی کرتا ہے ایک نیا تجربہ ہوتا ہے۔ بات کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے،
چلتا ہے، بیٹھ جاتا ہے، بیٹھ کر پھر چلنے لگتا ہے۔
میری بیوی نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا کیا یہ ایڈیٹر صاحب ابھی تک
کنوارے ہیں؟
میں نے تعجب سے پوچھا؟ تم نے کیسے جانا؟
اس نے میرے سوال کا جواب نہ دیا۔ اور پوچھا شکل وصورت کیسی ہے؟
دیکھنے میں تو اچھا ہے۔ لیکن؟ ---------
کماتا کیا ہے؟ وہ میری بات ان سنی کر کے بولی۔
تین سو روپئے ملتے ہیں۔
تو بہت ہوئے۔ تم نے تو مجھے کسی مہینہ ڈھائی سو بھی لا کر نہیں دیئے۔ تم اپنی
لڑکی شادی کی بات ان ایڈیٹر سے کر ڈالو۔
بھلی عورت۔ میں نے کہا۔ وہ مضمون مانگ رہا ہے تو کہتی ہے کہ میں اسے اپنی

لڑکی دیدوں۔ اس طرح سے تو وہ سال میں تین بار خاص ایڈیشن نکالنے لگے لگا۔

مذاق مت کرو۔ وہ غصے میں بولی۔ گھر میں جوان جہان بیٹی بیٹھی ہے اور تمہیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے میرے کمرے سے باہر چلی گئی۔

دو تین دن تک میرا موڈ بگڑا رہا۔ کئی بار آپ کا مضمون لکھنے کو بیٹھا لیکن قلم نے ساتھ نہ دیا۔ چوتھے دن آپ کی پرائیویٹ سیکریٹری میرے پاس مضمون مانگنے آگئی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ جب آپ خوبصورت اور کنواری لڑکیوں کو پرائیویٹ سیکریٹری رکھتے ہیں اور شادی شدہ مصنفوں کے گھر مضمون لینے کیوں بھیجتے ہیں۔ آپ کی سیکریٹری نے نیلے رنگ کی بہترین قسم کی ساڑی پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں خوبصورت چمڑے کا بیگ تھا۔ کانوں میں پکھراج کے بندے تھے۔ آپ اس کو تنخواہ کیا دیتے ہیں؟

میں نے مضمون تو نہیں لکھا تھا اس لئے وہ بہت دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی اور میں بھی بہت دیر تک اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی قسمت کی لکیریں دیکھتا رہا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ میں بہت اچھا نجومی ہوں۔ اور لڑکیوں کا ہاتھ بہت اچھی طرح دیکھتا ہوں۔ وہ تو تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ اس درمیان میں میری بیوی نے پردے کے پیچھے سے دیکھ لیا۔ اس کے جانے کے بعد میری بیوی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون تھی؟ کیا تھی؟ کس لئے آئی تھی؟

میں نے کہا وہ لڑکی تھی۔ پرائیویٹ سیکریٹری تھی اور میرے پاس مضمون لینے آئی تھی۔

تم نے لکھ کر دیدیا؟ لکھا ہی نہیں تھا تو دیتا کیا؟

ہاں، ہاں تم مجھ پر کیوں لکھو گے۔ وہ جھلا کر بولی۔ میں تمہاری کون ہوتی ہوں۔ تم باہر کی جانے کیسی کیسی گندی عورتوں پر لکھتے رہتے ہو۔ لیکن گھر کی عورت پر اپنی بیوی پر تم سے کیوں لکھا جائے گا۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ آنے دو اس چڑیل کو دوبارہ۔ میں اس کی چٹیا کاٹ کر نہ اس کے ہاتھ میں دے دوں تو۔۔۔۔۔۔

اور وہ زور زور سے رونے لگی۔ میں نے اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کو پیار کیا۔ بہلایا۔ پچکارا۔ سنبھالا بڑی مشکل سے اس نے اپنے آنسو پونچھے اور آنسو پونچھتے پونچھتے بولی۔

تم مجھ سے پیار کرتے ہو نا؟

دنیا میں سب سے زیادہ۔

مجھ پر مضمون لکھو گے نا؟

ضرور۔

اچھا سا مضمون؟

بہت بڑھیا مضمون۔

اب وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اور وہ بولی میری ایک تصویر بھی چھپوا دینا۔

فوٹو۔۔۔؟

کیوں؟ وہ ایک دم بھڑک کر بولی کیا تمہیں میں اچھی نہیں لگتی ہوں؟

بہت اچھی لگتی ہو ڈارلنگ۔

تو پھر؟

بہت اچھا فوٹو بھی چھپ جائے گا۔ میں نے دھیرے سے کہا۔

تو تصویر کھنچوانے کب چلو گے ؟

آج ہی چلوں گا۔

وہ بہت خوش ہوئی۔ پھر یکایک اداس ہو گئی۔ اور بولی کہ میرے پاس کوئی ساڑی نہیں ہے۔ میں نے کہا ابھی گذشتہ ہفتہ ۔۔۔۔

وہ بولی وہ تو گذشتہ ہفتہ کی ہے نئی تو نہیں ہے ۔۔ بے شک نئی تو نہیں ہے میں نے اقرار کیا۔

وہ بولی میں تو نئی ساڑی پہن کر تصویر اتروا‌ؤں گی۔

میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا اتنا خرچ کیوں کرتی ہو تم اپنا پرانا فوٹو بھیجوا دو جو بنارسی ساڑی میں اترا ہوا ہے۔

واہ وہ تو شادی کا فوٹو ہے۔ بائیس سال ہو گئے ہیں۔ تم بھی کیسی بات کرتے ہو

میں نے کہا تو بازار سے ساڑھے سترہ روپیہ کی وائل کی ساڑھی لے لیں گے۔ آجکل پھول دار وائل کی بہترین ساڑھیاں آئی ہوئی ہیں۔

وہ چیخ کر بولی میں وائل کی ساڑی نہیں پہنوں گی۔ میں تو بڑھیا نائلون کی ساڑھی لوں گی۔ ویسی ہی جیسی اس کلموہی نے پہن رکھی تھی۔

نائلون کی ساڑی میرا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا۔ گھٹیا سے گھٹیا نائلون کی ساڑھی بھی اسی نوے روپیے سے کم نہیں آتی ہے۔

ہاں نائلون کی ساڑھی ویسا ہی بیگ جو اس چھنال نے لے رکھا تھا۔ و۔

ہی سینڈل اور ویسا ہی بلاؤز اور بندے بھی ویسے ہی - اور میں ٹیکسی میں بیٹھ کر فوٹو اتروانے جاؤں گی - ابھی سے کہے دیتی ہوں - بس میں نہیں جاؤں گی - بس کہے دیتی ہوں - نہیں تو میرے سارے کپڑے خراب ہو جائیں گے - ہاں -

اس مصیبت کے تین چار دن بعد آپ کی سیکریٹری پھر نیا لباس پہن کر آئیں تو میری بیوی نے کہہ دیا کہ میں گھر پر نہیں ہوں - اس کے چار دن بعد وہ پھر آئی - تو میں پونا گیا ہوا تھا - اس کے بعد وہ نہیں آئی - اس نے سوچا ہوگا کہ ناسک جاکر کون واپس لوٹتا ہے - قبرستان جو ہے -

مضمون تو میں لکھ نہ سکا - البتہ بیوی کی تصویر بھیج رہا ہوں - رسالے میں کہیں کونے میں چھاپ دیں - ساتھ ہی بل بھی بھیج رہا ہوں - تفصیل یہ ہے :-

(١) نائلون کی ساڑھی	١٣٥/٠٠
(٢) پیٹی کوٹ سلک	٢١/٠٠
(٣) سینڈل	١٥/٥٠
(٤) بلاؤز بنگلور آرٹ	١٨/٦٢
(٥) بندے	١٣٥/٠٠
(٦) ٹیکسی	٩/١٠
(٧) سنیما	٦/٠٠
(٨) دہی بڑے کی چاٹ	١/٥٠
کل میزان	٣٤١/٧٢

بل کی ادائیگی فوری کر دیں کیونکہ میں نے یہ رقم ایک سود خور سے لی ہے

ورنہ آپ کو میری مرہم پٹی کا خرچہ بھی دینا پڑے گا۔
اور آئندہ مضمون مانگنے سے پہلے اپنی جیب کا بھی خیال رکھئے۔

آپ کا :-

کرشن چندر

ہم تو محبت کرے گا

شروع سے ہی مجھے دو چیزیں بہت پسند ہیں۔ ایک خوبصورت جوتا دوسرے خوبصورت عورت۔ ان دونوں میں نہ جانے کون سی ایسی چیز مشترک ہے کہ مجھے دونوں ہی بہت پسند ہیں ۔۔ یہ تو میں نہیں کہتا ۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اگر میرے پاؤں میں خوبصورت جوتے نہ ہوں تو ہر دم ایک احساس کمتری رہتا ہے اور اگر میرے بغل میں کوئی خوبصورت سی لڑکی نہ بیٹھی ہو تو مجھے ساری دنیا اندھیری معلوم ہوتی ہے ۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو چیز آپ کو پسند ہے وہ آپ کو مل بھی جائے ۔ بہت سے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہوائی جہاز میں سفر کریں ۔ لیکن نہیں کر سکتے ۔ بہت سے لوگوں کو ہیرے کی انگوٹھی کا شوق ہوتا ہے ۔ لیکن انہیں چاندی کا ایک چھلّا تک نصیب نہیں ہوتا ۔ اسی طرح بہت سے لوگ پاؤں میں جوتا پہننا چاہتے ہیں ۔ لیکن وہ جوتا ان کے سر پر پڑتا ہے ۔ اسی کا نام دنیا ہے اور میں اسی دنیا میں رہتا ہوں اسی لئے اپنی پسند کی چیز کبھی حاصل نہیں کر سکتا ۔

لیکن حاصل نہ ہونا الگ چیز ہے - پسند تو اپنی جگہ قائم ہے اور اس کے لئے انسان کوشش بھی کرتا ہے - اور یہی کوشش کھینچ کر مجھے ایک دن مدن گوپال کے گھر لے گئی۔

جناب مدن گوپال کسی فرم میں انڈر سیکریٹری ہیں اور بارہ سو روپیہ تنخواہ پاتے ہیں - پچاس برس کی عمر ہونے کو آئی لیکن ابھی تک شادی نہیں کی - اس لئے ہمیشہ خوبصورت جوتے پہنتے ہیں اور خوبصورت عورت کے تصور میں رہتے ہیں - ان کا گھر چونکہ میری گلی میں ہے - اور ان کی چھوٹی سی اسٹین گاڑی میرے گھر کے باہر کھڑی رہتی ہے - اس لئے مجھے ان کی رنگین مزاجی کا اچھی طرح تجربہ ہے اور وہ بھی بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے -

ایک دن میں اتوار کو ہمت کر کے ان کے گھر چلا ہی گیا - اور ان سے اپنی داستان کہہ ڈالی - انہوں نے بڑے دھیان سے میری بات کو سنا - پھر سوچ کر بولے -

میرے خیال میں آپ کو محبت کرنا چاہیئے -

جوتے سے، میں نے کہا -

نہیں عورت سے وہ مسکرا کر بولے - کسی بھی خوبصورت عورت سے پیار کرنا چاہیئے -

مگر ہمارے محلے میں تو کوئی خوبصورت عورت نہیں -

آپ سمجھے نہیں - مدن گوپال جی مجھے سمجھاتے ہوئے بولے جب آپ کسی عورت سے محبت کرنے لگیں گے تو پھر وہی عورت آپ کو خوبصورت معلوم ہونے لگے گی -

مگر پھر ان جوتوں کا کیا ہوگا ؟

آپ فکر نہ کریں عورت کے آنے سے جوتے خود بخود آجاتے ہیں -

یہ بات ہے تو ٹھیک لیکن آج تک کسی نے مجھے سمجھائی نہیں تھی۔ اب مدن گوپال جی نے مجھے تبلایا تو میری سمجھ میں آیا۔ اور میں نے انہیں استاد مان لیا۔ دوسرے ہی دن میں ایک سود خور سے ایک سو روپیہ قرض لے کر آیا۔ تھوڑی سی مٹھائی خریدی۔ کچھ پھول، بتاشے۔ یہ چیزیں ان کے قدموں میں رکھ کر بولا۔ آج مجھے اپنا شاگرد بنا لیجیے اور مجھے محبت کرنا سکھلا دیجیے۔ مدن جی نے میرا نذرانہ قبول کر لیا۔ میرے سر پر بڑے مشفقانہ انداز سے ہاتھ پھیر کر بولے۔ بیٹا پریم بھی ایک پیشہ ہے۔ جیسے لوہار کا ایک پیشہ ہے۔ موٹر میکنک ایک پیشہ ہے۔ محبت بھی ایک پیشہ ہے اور اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک تھیوری اور ایک تجربہ۔ محبت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک انسان اس کی تھیوری نہ سمجھ لے اور بعد میں اپنے تجربے سے اسے پرکھ نہ لے۔

اسی لئے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں استاد۔ مجھے محبت کا سبق سکھائیے سنو! مدن گوپال جی بڑے رازدارانہ انداز میں بولے۔ محبت کرنے کے دو راستے ہیں ایک تو آپ کے پاس بہت ساری دولت ہو تو محبت کی ساری مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس دنیا میں جتنی خوبصورت عورتیں ہیں بہت ہی کومل اور نازک ہیں۔ اور خوبصورت چیزوں کا تجربہ خاص طور پر دل میں سما دیا ہے۔ یہاں تک کہ خوبصورت عورت خوبصورت چیزوں کو پسند کرتی ہے۔ جیسے جڑاؤ سونے کا ہار، کیڈلک کی خوبصورت کار، عمدہ سجا ہوا ڈرائنگ روم، سونے کی تار والی ساڑھیاں۔ اگر آپ عورت کو یہ سب چیزیں دے سکیں تو وہ بہت جلد آپ کی ہو جائے گی۔

مدن گوپال جی! میں نے بڑی ناامیدی سے کہا میں ایک غریب مصنف ہوں

مہینے میں سو، پچاس روپیے اخبار والوں سے مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں ایک اخبار کا اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی ہوں ایک سو بیس روپیے مجھے وہاں سے ملتے ہیں۔ اس پر میری بوڑھی ماں ہے۔ تین کنواری بہنیں ہیں۔ دو بیوہ خالائیں ہیں جن کے سات معصوم بچے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک ساڑھی تک تو خرید نہیں سکتا۔ موٹر کہاں سے خریدوں گا؟

مدن گوپال جی نے دھیرے دھیرے سوچ کر سر ہلایا۔ پھر بڑی دردبھری آواز سے بولے تب تو تمہاری ترکیب ٹھیک رہے گی۔ وہ کیا ہے؟

اسے محبت کی دوسری ترکیب کہتے ہیں۔ عام لوگوں کی زبان میں اسے بغیر پیسے کی محبت کہتے ہیں۔ لیکن اس میں بڑی محنت اور تکلیفیں ہیں اور برابر تجربہ کرنے کی ضرورت ہے۔

میں دن رات محنت کرنے کو تیار ہوں۔ آپ ترکیب بتلائیے۔

اس کی ترکیب کی تھیوری یہ ہے کہ عورتیں خوبصورت کپڑے پہننے والے مردوں کو بھی پسند کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر مرد خود بھی خوبصورت ہو تو کیا کہنا؟ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا سانولا چہرہ، چیچک کے داغ، گنجا سر، اور ٹھگنا قد۔ اس لئے آپ کے واسطے بہت سی دشواریاں ہیں۔

میں نے کہا میں کسی ٹھگنی قد والی عورت سے محبت کر لوں گا۔ مگر آپ ترکیب تو بتلائیں۔

مدن گوپال جی نے کچھ دیر کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ

تھی۔ خوش ہو کر بولے ترکیب سمجھ میں آ گئی ہے۔ میرے خیال سے آپ مس ورلا
نسے پریم کرلیجئے۔

وہ جو کالج میں پڑھتی ہیں اور بے حد نفاست پسند ہیں۔
آپ نے غور نہیں کیا ہوگا۔ وہ عمدہ خوشبو کی رسیا ہیں وہ پیرس کی عمدہ سے
عمدہ خوشبوئیں استعمال کرتی ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں اس کی من پسند خوشبو کون سی
ہے۔ ایوننگ ان پیرس۔ اس سینٹ پر تو وہ جان دیتی ہیں۔ آپ ایسا کیجئے کہ کل بازار
سے ایک شیشی اسی سینٹ کی خرید لائیں۔ اسے اپنے رومال پر لگائیں رومال
جیب میں رکھ کر گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو جائیں اور اس کا انتظار کریں۔ جب وہ کالج
جانے کے لئے گلی سے گذرے تو آپ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائیے ہو سکتا ہے وہ نہ مسکرائے
حال آپ کی اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ آپ مسکرا کر اس سے آگے نکل جائیے۔ کچھ قدم
آگے چل کر اپنا رومال جیب سے نکال کر زمین پر گرا دیجئے۔ اور یہ محسوس ہو کہ رومال
خود بخود گرا ہے۔ رومال یقیناً مس ورلا اٹھالیں گی اور اس کی خوشبو اس کی ناک میں
ئے گی۔ آپ ذرا سکڑ کر کھڑے ہو جائیے۔ وہ آپ کو آواز دے گی۔ مڑ کر دیکھئے
وہ کہی گی آپ کا رومال لے لیجئے۔ نفاست پسند عورت آپ سے ضرور سوال کرے گی
کیا آپ کو بھی ایوننگ ان پیرس بہت پسند ہے۔ اس پر بات خوشبو سے شروع
اور دل کی خوشبو تک جا پہونچے گی۔

میں ایک دم خوشی سے اچھل پڑا اور مدن گوپال جی کا ہاتھ چوم لیا اور کہا
"کیا ترکیب بتائی ہے۔ میں کل صبح ہی اس پر عمل کر دوں گا۔
اور کل شام ہی کو مجھے اس کی رپورٹ دے دینا۔ پھر میں تمہیں اگلی ترکیب

بتاؤں گا۔

دوسرے دن جب میں مدن گوپال جی کے گھر گیا تو انہوں نے میری شکل دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کہیں ضرور گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے اندر آتے ہی انہوں نے پوچھا۔

کیا ہوا؟ مسکرانا بھول گئے تھے؟

جی نہیں مسکرایا تو تھا مگر معلوم نہیں کیا ہوا۔ کچھ ایسی رونی سی مسکراہٹ ہو گی کہ اسے دیکھ کر مس دولا کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا ہو گا۔ اور جلدی جلدی آگے نکل گئی۔

بیوقوف میں نے تمہیں آگے نکل جانے کو کہا تھا۔

سنیئے تو وہ اتنے تیز تیز قدم اٹھانے لگی کہ مجھے ان کا پیچھا کرنا دشوار معلوم ہونے لگا۔ خیر صاحب زندگی میں بھی کب اس قدر تیز چلا تھا۔ کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر ان کے سامنے سے نکل گیا۔ اور پھر بڑی ہوشیاری سے میں نے اپنا رومال بھی زمین پر گرا دیا اور انہوں نے گرے ہوئے رومال کو اٹھا بھی لیا۔

شاباش۔ مدن گوپال جی میری پیٹھ ٹھونک کر بولے اتنا باش

سنیئے تو اس کے بعد انہوں نے میرے رومال کو دیکھا اور جلدی سے گندی نالی میں پھینک دیا۔

ایں وہ کیوں؟ تم نے خوشبو نہیں لگائی تھی۔

خوشبو تو لگائی تھی جناب۔ مگر مجھ میں یہ بری عادت ہے کہ میں رومال میں ہی تھوک دیتا ہوں۔ اور اسی سے اپنا بلغم صاف کرتا ہوں۔ مس دولا کے ہاتھ میں میرا بلغم آ گیا۔ اس پر انہوں نے مجھے گالیاں سنائیں۔ گدھا۔ بیوقوف

والمیتز کا ودھ سے کیا کیا کہا۔ میں تو وہاں سے بھاگ گیا۔

مدن گوپال نے اپنا سر پیٹ لیا۔ مجھ کیا معلوم تھا کہ تمہارے جوتے والی میں خوشبو لگا دو گے۔ گوپال بولا آخر بتائیے اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں ڈرا تو اپنا لیے ہاتھ سے گئی۔ اب تم زندگی بھر اس سے محبت نہیں کر سکتے۔ میں نے مدن گوپال کو کہا پھر یک طریقہ بتائیے نہیں تو محبت کروں گا۔ بھگوان کے لیے میری حالت پر رحم کھائیے۔ مجھے محبت کرنا سکھا دیجیے۔

مدن گوپال جی نے جب مجھے اس طرح گڑگڑاتے ہوئے دیکھا تو شاید انہیں میری حالت پر رحم آ گیا اور اپنے غصے پر قابو پا کر کہا۔ خیر کوئی بات نہیں اب میں محبت کرنے کی تیسری ترکیب بتاتا ہوں۔

محبت کرنے کی تیسری ترکیب۔ جلدی بتلائیے کیا ہے میں نے اس کا کوئی اور عمل کرنے کا طریقہ نہیں دیکھا ہے۔

مدن گوپال جی بولے اس ترکیب کو پھولوں والی محبت کہتے ہیں۔ اس میں پھولوں کے ذریعہ محبت کی جاتی ہے۔ اس کے لیے سب ضروری ہے کہ پہلے ایک جگہ تلاش کی جائے جہاں عورت اکیلی بیٹھی ہو اور سامنے پھولوں کی کیاری ہو یا گملا ہو اس میں پھول ہوں۔ عورت بالکل تنہا ہو اور اپنے خیال میں مگن ہو۔ اس وقت پھولوں کی کیاری سے ایک پھول توڑو اور اسے پیش کر دو۔ اس سے اور عورت سے پھر پیش کرتے وقت کوئی اچھا سا شعر بھی کہہ ڈالو۔ یہ محبت کے لیے پھول حاضر ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی اچھی بات کہے جس سے پھولوں کے ساتھ ساتھ عورت کی بڑائی کا پہلو بھی نکلتا ہو۔ عورت شرمائے گی

مسکرائے گی۔ اور آپ کا شکریہ ادا کرے گی۔ بس اب سمجھو بات چل نکلی۔ موقع مناسب سمجھ کر بات کو آگے بڑھاؤ اور ٹھنڈی آہیں بھرنا شروع کر دو۔ جب لڑکی آپ سے آپ کی ٹھنڈی آہوں کی وجہ پوچھے تو اسے صاف بتلا دو کہ اس کی وجہ صرف تم ہو۔ صرف تم ہو۔ اور صرف تمہیں سے مجھے محبت ہے۔

آ آ ہا ہا کیا اچھی ترکیب بتلائی ہے نہ کالری کی ضرورت نہ ساڑی کی صرف تھوڑے سے پھول اور کچھ میٹھی میٹھی باتیں۔ اب کی مرتبہ ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ اپنی محبت میں دیکھ لیجئے گا۔ اب ہمارا گرو ناکام نہ ہوگا۔ میں کل ہی اس ترکیب کو آزماتا ہوں مگر مگر کیا؟

میرا چہرہ ایک دم اداس ہو گیا۔ میں نے دمیرے سے کہا ترکیب تبائی ہے تو لڑکی بھی بتا دیجئے جس پر میں اس ترکیب کو آزماؤں۔

خوب سوچ سمجھ کر مدن گوپال جی نے مجھے بتلایا کہ ریلوے گارڈ کی لڑکی میری خوبصورت تو ہے نا بڑی شوخ و شنگ ہے۔ ہر وقت اپنے کٹے ہوئے بالوں میں پھول لگائے رہتی ہے۔ بڑی رومانٹک لڑکی ہے۔ یہ ترکیب اس لڑکی پر آزماؤ۔ اور کل شام کو مجھے اس کی رپورٹ دو۔

میں اپنے استاد کے ہاتھ چوم کر جلدی سے رادانہ ہو گیا۔ لیکن جب دوسرے دن میں مدن گوپال جی کے گھر پہنچا تو میرا اترا ہوا اداس چہرہ دیکھ کر خود بھی اداس ہو گئے۔ بڑے ہی بے دلی سے پوچھنے لگے۔ کیا ہوا؟ کیا لڑکی اکیلی نہیں ملی؟

جی نہیں! میری قسمت دوزا بالکل اکیلی بیٹھی تھی اور اپنے مکان کے پ

تیسری پہر کا سہانا وقت تھا اور وہ بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔ وہاں پر گندے اور زنگ لگے ہوئے ٹین کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔

تو پھول نہیں ہوں گے وہاں پر۔ کچھوڑے میں پھول کہاں سے آئیں گے؟

جی نہیں۔ پھول بھی تھے۔ کچھواڑے سے لگی ہوئی ایک جھاڑی پہ بہت سے لمبے لمبے ملیم نما سفید پھول۔

پھر تم نے کیا کیا؟

میں نے اس جھاڑی میں سے ایک پھول توڑا۔ اور مسکرا کر میری ڈسوزا کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

پھول کے لئے پھول نذر کرتا ہوں۔

پھر اس نے کیا کہا۔

وہ چہرے پر بل ڈال کر بولی۔ بدھو یہ تو دھتورے کے پھول ہیں۔ بدھو، احمق، گدھا، بیوقوف۔ ماں کو بال جی مٹھے سے پیلا کر لیے تو نے دھتورے کی گندی گندی بو والے پھول میری ڈسوزا کو پیش کر دیئے

اف فوہ۔

کیا کرتا استاد۔ مجھے اور کوئی پھول دکھائی نہ دیا اور یہی بات میں نے میری ڈسوزا سے کہی تھی۔

پھر کیا ہوا

کچھ نہیں وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ کبھی جیب ٹٹولتی تھی۔ کبھی بال جھٹکتی تھی۔ جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں نے کھنڈر کا جھنڈا ٹی آپلی

کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے گھبرا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ میرے
پر دکھ کے آثار دیکھ کر پوچھا۔

کیا جی گھٹا آپ کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے؟

میں نے گھبرا کر کہا۔ جی ہاں۔

اس پر اس نے کہا کہ آپ فوراً بک جلاب کی ٹکیاں استعمال
کریں۔ نمبر ۲ سے چھٹی اور مستی اپنے قریب آ کر ہی گی۔ اس لئے
لیجئے اگر مدن گوپال سے محبت ہو۔ کمرے کی تنظیموں کے دور کی
نہیں جا سکتا۔ سمجھ رہے ہو نا۔ کیا ہے اپنے کھلو سمجھ لیا ہے۔ اب تم بھی
کرنا سکھا دیں تو میں بلیسورت سرما بنا سکتا۔ کیونکہ میں لکھا ہے
مار کھا کر مرو گے

مجھے روتا ہوا دیکھ کر اس کے چہرے پر آ گیا۔ میری اسی طرح
کو پکڑ کر بولے اب میں نفس محبت کرنے کا جو طریقہ بتا رہا ہوں گا۔

رفیق صاحب فرمائیے اس میں کوئی غلطی ہو تو۔

میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا! اس میں غلطی نہ کروں گا جو میری
گردن کاٹ لینا اگر ذرا بھی ادھر سے ادھر ہو جائے۔ میں تو اب ٹھیک کروں
طرح کروں گا۔ بالکل اسی طرح۔

مدن گوپال بولے یہ محبت کی چوتھی ترکیب ہے اور اسے رات کے ذریعہ
کیا جاتا ہے۔

طاقت والی محبت؟ اس میں انسان کو اپنی عقل سے کوئی کام نہیں

بیٹا پائی! یہ ترکیب تمہارے لئے آسان ہے اور سب سے اچھی رہے گی

جلدی بتائیے جلدی بتائیے میرے پیارے گرو میرے اچھے استاد

مدن گوپال! اس میں گھبرانے کی بات نہیں ہے تم ایک لڑکی چھانٹ لو جو تمہیں پسند ہو اسے اکیلی دیکھ کر فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لو اگر وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرے تو تم دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ اگر اس پر بھی وہ تمہاری گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرے تو تم زور سے اپنے سینے سے چمٹا لو اس پر اگر وہ چیخے اور چلائے تو اپنے ہاتھ سے اس کے ہونٹ پکڑ کے دبانا مت بھولنا۔ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے گی تو تم اسے پکڑ کر اپنے ساتھ سیڑھی مار کر اسے زمین پر گرانا۔ اس تمہاری محبت مان جائے گی۔ کیونکہ ہر عورت مردانگی کو پسند کرتی ہے۔

اپامل: بس کیا یہ بھی بتلانے کی ضرورت ہے کوئی کہے یہ ترکیب بہت اچھی ہے

مدن گوپال: میں یہ کہانی جیل کی ملاقات کے پیچھے بیٹھا ہوا [illegible]

بہت سچی ہار کا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس بات سے انکار کرنا [illegible]

باقی خدمت میں ہے خوبصورت کو درست [illegible] ترکیب محبت کرنے کا پوچھیں —

ہمہ اقسام کی کتب

برائے

اسکول

کالج

اور

اردو

و

انگریزی

ناول وغیرہ کے لئے

یاد رکھیئے

ایشین بک سینٹر:- ۴۹ زوآلوجیکل گارڈن کر ۲۔

مصنّفوں کی ضرورت

ہے

مسودہ کے ساتھ ملاقات کریں۔

بشیر بک سینٹر

۴۹ زوآلوجیکل گارڈن کراچی ۳

دت بھارتی کی جذباتی

رومانی ناولیں

کاغذ کا لباس ۳/۵۰ — دیوتا کی عورت ۳/-

راہ گذر یاد آیا ۳/- — چوٹ ۶/-

ہم سے طلب کریں

الشین بک سنٹر

۴۹۔ زوآلوجیکل گارڈن کراچی۔